افاداتِ عارفیہؒ

(حصّہ اوّل)

ارشادات

حضرت عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی دامت برکاتہم

خلیفۂ مجاز

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی شاہ صاحب تھانوی نوراللہ مرقدہٗ

مرتّب

مسعود احسن

اشاعتِ اول — جولائی سنہ ۱۹۶۶ء مطابق ربیع الاول سنہ ۱۳۸۶ھ

تعداد — ایک ہزار (۱۰۰۰)

ناشر — ادارہ اشاعتِ اسلام کراچی ۳۱

طابع — انجمن پریس کراچی

کتابت — فیض الکتابت مرزا آدم خاں مارکٹ

کاتب — عالم علی خان

محفلِ سوز و گدازِ غم کو گرمائے گا کون
اہلِ دل کو اپنے دردِ دل سے تڑپائے گا کون

موجزن ہے کس کے دل میں آتشِ سیالِ غم
مستیٔ خونِ جگر آنکھوں سے برسائے گا کون

کس پہ طاری ہے جنونِ عشق کی وارفتگی
یوں زباں پر والہانہ رازِ دل لائے گا کون

عارفیؔ میرا ہی دل ہے محرمِ راز و نیاز
بعد میرے رازِ حسن و عشق سمجھائے گا کون

عارفیؔ

اے عارفؔ اپنے دلِ پُر شوق کی باتیں
اچھا ہے کہ تو اپنی زباں ہی سے سنائے
ممکن ہے کوئی کاشفِ اسرارِ محبت
پھر محفلِ احباب میں آئے کہ نہ آئے

عارفؔ

فہرستِ مضامین

۷۸۶

احوالِ واقعی

الحمد للہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کے سلسلے میں مخدومی و محترمی جناب ڈاکٹر عبدالحی صاحب مدظلہ العالی کی زبانِ مبارک سے سُنے ہوئے ارشادات کو "افاداتِ عارفیہ" کے نام سے ہدیۂ ناظرین کر رہا ہوں۔

میں نے ابتداءً ان مضامین کو صرف اپنی یادداشت و استحضار کے واسطے قلمبند کرنا شروع کیا تھا۔ رفتہ رفتہ عرفان و حقائق کا کافی سرمایہ ہوگیا۔ یوں تو میں نے اس مجموعہ کے اکثر مضامین خود ڈاکٹر صاحب کو اور اپنے دوسرے بزرگوں کو سنائے اور سب نے اظہارِ پسندیدگی فرمایا۔ مگر میرے محترم دوست مولانا سلیم اللہ صاحب (مدرس دارالعلوم کراچی) کی حسینِ نظر اور حسینِ سماعت سے جب یہ مضامین گزرے تو انھوں نے ان کو اہلِ دل حضرات کے لئے بہت کچھ بصیرت افروز پایا۔ انھیں کے پرخلوص اصرار اور حوصلہ افزا تحریک نے مجھے اس مجموعہ کو منظرِ عام پر لانے کے لئے آمادہ کیا۔ جب ڈاکٹر صاحب سے میں نے اس کی اشاعت کا تذکرہ کیا تو انھوں نے فرمایا کہ پہلے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم سے استمزاج کرلو۔ اگر وہ اجازت دیدیں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ الحمد للہ مخدومی و محترمی حضرت مفتی صاحب نے نہ صرف یہ کہ اسکو

نظرِ استحسان سے دیکھا بلکہ خوش ہو کر چند سطور بھی بطورِ اظہارِ پسندیدگی تحریر فرما دیں جو ہم سب کے واسطے بڑی طمانیت اور تقویت کا باعث ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔ آمین۔

حقیقت یہ ہے کہ محترم ڈاکٹر عبدالحی صاحب دامت فیوضہم اپنی مجلس میں حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ العزیز کے ملفوظات کی اس انداز سے تشریح فرماتے ہیں کہ ملفوظات کا مفہوم نہایت جاذبیت کے ساتھ دلنشین ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب خود فرماتے ہیں کہ میرا مقصد صرف یہی ہے کہ چونکہ میں حضرت والا قدس اللہ سرہٗ کی تعلیم و تربیت و توجہات و دعا کی برکت سے اور حضرت رحؒ کے مواعظ و ملفوظات بالمشافہ سننے اور کثرتِ مجالست و مکاتبت سے بہرہ اندوز ہوا ہوں اس لئے جی چاہتا ہے کہ اپنی استعداد و صلاحیت کے مطابق ان لوگوں کے سامنے جن کو حضرتؒ کی مجلس میں شرکت کا اور حضرت والا کی زیارت کا موقعہ نہیں ملا ہے حضرت والا رحؒ کی تعلیمات ان کے خصوصی مذاق کے ساتھ پیش کردوں اور ملفوظات میں جو خاص شانِ مجددیت ہے اور حکیم الامت ہونے کا جو خصوصی درجہ حاصل ہے۔ اس کی اپنے الفاظ میں تشریح و وضاحت کردوں۔

کیا عجب اس طرح سے اہلِ طلب میں حضرت رحؒ کی تالیفات اور مواعظ و ملفوظات سمجھنے کی استعداد اور فہم سلیم پیدا ہو جائے اور زیادہ سے زیادہ تشنہ کامانِ رضائے الٰہی اپنی سیرابی اور

کامرانی حضرت والاؒ کی تصانیف سے حاصل کر سکیں "۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ڈاکٹر صاحب کو تا مدّتِ مدید صحت و عافیت کے ساتھ سلامت رکھ کر ان کے فیضانِ روحانی، تعلق مع اللہ اور نسبت مع اللہ کی برکت سے طالبانِ حق کو ہر شعبۂ زندگی میں فرائض و واجبات کی ادائیگی میں مصروف رہنے کے اہتمام کی توفیق عطا فرمائیں اور مجھے ہمیشہ اپنے نیک بندوں کے ساتھ وابستہ فرمائے رکھیں۔

گرچہ از نیکانیم لیکن بہ نیکاں بستہ ام
در ریاضِ آفرینش رشتۂ گلدستہ ام

اور میں اسی میں اپنی سعادت سمجھتا رہوں۔ آمین ثم آمین

میں ادارۂ اشاعت اسلام کراچی ۱۳ کا شکر گزار ہوں جس نے "افادات عارفیہ" کی طباعت و اشاعت کی ذمہ داری قبول کی اور پورے اہتمام کے ساتھ اس کو شائع کیا جزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

مسعود احسن

۲۵ ربیع الاول ۱۳۸۶ھ

مطابق

۱۵ جولائی ۱۹۶۶ء

تقریظ از حضرت محمد نجم احسن صاحب۔ احسن نگرامی مدظلہ العالی مجازِ صحبت حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ

عزیزم مسعود احسن صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے تقریبًا نصف حصّہ لفظ بہ لفظ مجھے پڑھ کر سنایا۔ میں خود ضعفِ بصر کے سبب لکھنے پڑھنے سے معذور ہوں۔ سن کر بے اختیار صاحبِ ملفوظ اور مرتب کے لئے دِل سے دعائیں نکلیں۔ میں ایک عامی آدمی ہوں معارف کے باب میں کیا زبان کھول سکتا ہوں بہرحال یہ کہنا ہی پڑتا ہے کہ یہ مجموعہ ماشاء اللہ "مسلکِ اشرفی کا آئینہ" کہے جانے کے قابل ہے۔

زمانہ ہوا کہ بلا تکلف کچھ اشعار تصور میں حضرتِ عارفی سے مخاطبت کے طور پر ہو گئے تھے وہ ہدیۃً مسعود احسن صاحب کی خدمت میں پیش کرتا ہوں اور وہ اشعار یہ ہیں ؎

ناگوار اشد گوارا عارفی | تلخ ترکن بادہ ہارا عارفی
جرعۂ از بادۂ شوقم بدہ | اے سرت گردم خدارا عارفی
تیز ترکن تیز ترکن تیز تر | بادہ ہاکن بادہ ہارا عارفی
نکہتے از زلفِ مشکینش بیار | روز کن شب ہائے مارا عارفی
نغمۂ دریا دِ یارِ حیّ زن | زندہ ہاکن مردہ ہارا عارفی
مے بہ جام و مے بہ کام و مے بہ لب | مے فروشی مے گسارا عارفی

"بوئے آں دلبر چو پراں می شود"
حسن سازِ عشق ہا را عارفی

مست خواندی نغمہ ہائے اشرفی | مست کردی جانِ ما را عارفی
چوں زبحاؔنہ شمسِ اشرف رخ نمود | لعل گشتہ سنگِ خارا عارفی
تھانہ ہم قونیہ ہم تبریز ما | رومیؒ و شمسؒ ست ما را عارفی
حرفہا از گفتہؒ اشرف بزن | سِرِّ حق گو آشکارا عارفی
عارفی را ہیچ زیبش کنجِ خلد | شانہ آن زلفِ دوتا را عارفی

"یادِ یارِ مہرباں" شد شعرِ اد
احسنِ آتش نوا را عارفی

محمد نجم احسن

۵ ربیع الاول ۱۳۸۶ھ مطابق ۲۵ جون ۱۹۶۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم

مُجازِ بیعت حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ

صدر دار العلوم کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خانقاہِ امدادیہ تھانہ بھون کہئے یا ایک دکانِ معرفت اسکے دورِ اول کا تو تذکرہ ہی بزرگوں سے سنا ہے البتہ دوسرے دور یعنی حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرّہ کی مجلس کو بحمد اللہ آنکھوں سے دیکھنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ ؏

نازم بچشمِ خود کہ جمالِ تو دیدہ است

اس مجلس کے جرعہ نوش ملک بھر میں لاکھوں کی تعداد میں پھیلے ہوئے تھے اور بحمد اللہ اب تک بھی بہت سے موجود ہیں۔ کراچی میں ہمارے محترم بزرگ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب دامت برکاتہم کو حق تعالیٰ نے حضرت سے بچند وجوہ خصوصی تعلق عطا فرمایا تھا۔ خلیفہ مجاز تو بحمد اللہ اور بھی بہت ہیں مگر شیخ کا رنگ جن میں جھلکتا ہو وہ کم ہی ہوا کرتے ہیں۔ ہمارے محترم خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ نے فرمایا تھا ؎

مجھے دیکھ آئینۂ یار ہوں میں\
جِلا کردۂ دستِ دلدار ہوں میں

اللہ تعالیٰ مبالغہ اور تزکیہ من غیر حق سے محفوظ رکھیں ڈاکٹر صاحب کو دیکھ کر مجھے مجذوب صاحب کا یہ شعر یاد آیا کرتا ہے۔ اور جب ان کو

دیکھتا ہوں تو عموماً اصغر گونڈوی کا یہ مصرع زبان پر بھی آجاتا ہے ع

ابھی کچھ لوگ ہیں ساقی کی محفل دیکھنے والے

محترم مسعود احسن صاحب نے ڈاکٹر صاحب کے ذریعہ حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کے ملفوظات و حکم کو مع ان کی اپنی ذوقی شرح و وضاحت کے جمع کر کے اس مقدس مجلس کا گویا ایک خاکہ لوگوں کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے اس مجموعہ کو پورا دیکھنے کی فرصت نہیں ملی بعض بعض مواقع سے سنا جس سے اندازہ ہوا کہ حضرتؒ کے علوم و حکم کو ماشاء اللہ بڑے سلیقہ سے پیش فرمایا ہے میں تو اس کے بارے میں صرف اتنا ہی کہہ سکتا ہوں ؎

حرف از زبانِ یار شنیدن چہ خوش بود

یا از زبانِ آنکہ شنید از زبانِ دوست

اللہ تعالیٰ صاحبِ ملفوظات اور جامعِ ملفوظات کو جزائے خیر عطا فرمائے اور قبول فرمائے اور اس ناکارہ کو بھی اپنے عبادِ صالحین کے ساتھ ملحق فرمائے وما ذالک علی اللہ بعزیز

بندہ محمد شفیع عفا عنہ

دار العلوم کراچی نمبر ۱۴

۲۷ صفر ۱۳۸۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت والا کی مجلس

ارشاد فرمایا کہ ہمارے حضرتؒ نے گویا ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں لے جاکر بٹھادیا۔ وہی ادائیں لیں، وہی نقشے مرتب کئے اور وہی تصویر کھینچکر دکھادی ——

ایک وارثِ نبی کی مجلس ہے، حدود کی تحقیق ہو رہی ہے، تواضع کو دل میں بٹھایا جارہا ہے، غیبت کی برائی کو طرح طرح سے سمجھایا جارہا ہے، آدابِ مجلس اور آدابِ انسانیت بتائے جارہے ہیں، حقوق العباد کی اہمیت کو واضح کیا جارہا ہے، دین کی عظمت اور محبت کو قلب میں اتارا جارہا ہے ظرافت اور مذاق کی باتیں، گھر کے حالات، سالکین کی دلجوئی، ان کی تربیت، سادہ اور بے تکلف معاشرت کی خوبیاں، فراغتِ قلب اور تعلق مع اللہ کے طریقے، فکرِ آخرت، مقصود غیر مقصود میں امتیاز، عمل کا اہتمام، عبدیت، ترکِ مالایعنی غرض ہمارے حضرتؒ نے وہی حضورؐ کی مجلس کا خاکہ اتارا اور صحابہؓ کی زندگی کا نمونہ پیش کیا، یہ صحابہؓ حضورؐ کے تربیت یافتہ تھے، دیکھو انھوں نے کس طرح حق ادا کیا بندگی کا تم بھی اسی طرح حق ادا کرو، انھیں کا اتباع کرتے رہو۔ ایک طویل مدت تک اسی نہج پہ تربیت فرماتے رہے اور اس کے بعد جو اس مجلس سے اٹھا ہے وہ ایک رنگ لئے ہوئے اٹھا ہے

ے حکیم الامۃ مولانا اشرف علی صاحب رح

دیکھتا ہے جو ہمیں سرشار ہو جاتا ہے وہ

اس طرح کچھ پی کے اٹھے ہیں تری محفل سے ہم

ساٹھ سال تک اہل علم اور طالبین جو کچھ حضرت سے سنتے رہے لکھتے رہے۔ سادہ سی مجلس ہے اور سادہ سے لوگ اور تین چار اہم کام ہیں کہ مستقل ہو رہے ہیں اور صدیوں کے لئے ہو رہے ہیں۔ حضرتؒ خانقاہ کی سہ دری میں بیٹھے ہوئے ہیں، طالبین اور سالکین موجود ہیں ـــــ دیکھئے یہ ہمارے حضرتؒ کا حلقہ ہے ـــــ ظہر اور عصر کا درمیان ہے، حضرتؒ حاضرین اور غائبین پر توجہ فرمارہے ہیں، دور دراز سے سالکین کے خطوط کا ڈھیر لگا ہوا ہے، قلم اور خط حضرتؒ کے ہاتھ میں ہے ـــ لمبے چوڑے خطوط ـــ حضرت والاؒ جواب تحریر فرمارہے ہیں جو خط قابل نقل ہوا اس کو علیحدہ کر لیا اس سے "تربیت السالک" تیار ہو رہی ہے۔

اسی دوران میں حضرتؒ گفتگو بھی فرماتے جاتے ہیں جو کچھ فرماتے جاتے ہیں طالبین اس کو لکھتے جاتے ہیں اس سے "ملفوظات" تیار ہو رہے ہیں پھر کوئی شخص آ گیا اور الجھی ہوئی اور بے ڈھنگی بات کی۔ حضرتؒ اس میں مشغول ہو گئے۔ دیر تک مشغول رہے، اس پر اس کی غلطی واضح کر دی اور عمر بھر کے لیے اس کو سبق دے دیا اور ایسا بھر دیا کہ کم از کم یہ غلطی تو اس سے زندگی بھر صادر نہ ہو گی اور اسی کے ساتھ ساتھ جتنے بیٹھے ہوئے ہیں سب کی اصلاح ہو رہی ہے، ہر بات میں حدود کی نشان دہی کی جا رہی ہے۔

ابھی ایک شخص سے الجھ رہے تھے اس سے فارغ ہوکے تو سالکین اور حاضرین سے لطف کے ساتھ باتیں شروع کر دیں، دلجوئی فرما رہے ہیں! اسی میں مہمان نوازیاں اور خاطر مدارات ہو رہی ہے، ظرافت اور مذاق کی باتیں کر رہے ہیں، ہر تقریب میں تفریحات ہیں اور حضرتؒ سب میں گھلے ملے پھر رہے ہیں باتیں کر رہے ہیں۔ نہ چوغہ نہ تسبیح، بے تکلف انداز سادہ لباس، نہ کوئی خصوصیت نہ کوئی امتیاز ــــــــ واہ واہ! اس مجدّدِ وقت نے عجب انداز سے تعلیم و تربیت کی ہے ؎

اہلِ ظاہر تجھے سمجھے نہیں اے سادہ جمال
کوئی اس حسن کو پوچھے ہم اداؤں سے (مجذوب)

ان کی ہر ادا میں ایک کشش اور ہر گفتگو میں ایک سبق ہے ؎

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجا است

مدارِ سلوک

حضرت والاؒ کا ہم پر بہت احسان ہے حضرتؒ کے ملفوظات سننے سے معلوم ہوگا کہ اس شیخ کا کیا مرتبہ تھا۔ ہم نے اپنی زندگی میں سوائے انکی بات کے سننے کے کچھ نہیں کیا۔ ہمیں دیکھ لو ہم کیا کر رہے ہیں اور کیا بتلا رہے ہیں۔ ہم بتلا رہے ہیں کہ تمام توہمات دماغ سے نکال دیجیے اور خوب

سمجھ لیجئے کہ یہ راستہ اللہ کا سوائے حضورؐ سے پوچھے مل نہیں سکتا، پوچھو حضورؐ سے کیا فرماتے ہیں۔ حضورؐ فرماتے ہیں "فاتبعونی"۔ بس چلے آؤ سُنکر اور اتباع شروع کر دو۔ صبح سے شام تک کے اعمال ڈھال لو سنتِ حضورؐ میں، حضورؐ جس طرح اٹھتے تھے اُٹھو اسی طرح، جس طرح کھاتے تھے کھاؤ اسی طرح۔ ارے سہل سے سہل زندگی ہے بلکہ سہل الممتنع۔ گھر میں داخل ہونے کا مسنون طریقہ، سونے کا مسنون طریقہ، کاروباری زندگی، مخلوق سے تعلق، معاملات ہوں یا معاشرت زندگی کے ہر گوشہ میں اتباع اور فرمانبرداری ہے، کوئی پہلو فرائض و واجبات سے خالی نہیں۔

اصلاحِ خانقاہ

ہمارے حضرتؒ مجدد ہیں فنِ تصوف کے۔ تربیتِ باطن کے جو طریقے بزرگوں نے تدبیر کے درجہ میں اختیار کئے تھے اور علاج کے لئے تجویز کئے تھے اہلِ خانقاہ انہیں کو مقصود سمجھ بیٹھے تھے۔ نفس کُشی کا سلسلہ، توہم پرستی، شخصیت پرستی، قبر پرستی، چلّے کشی، مراقبات، ذوقیات، مجاہدے، کیفیات، تصرفات، یہی سب کچھ میراث تھی خانقاہیت کی جو صدیوں سے چلی آرہی تھی۔ حضرت والاؒ نے سب خانقاہی رسم و رواج کو ختم کیا اور فرمایا کہ تم نے غیر مقصود کو مقصود سمجھ لیا، جو چیز مرکب ہے مذہب اور غیر مذہب سے اس کو تم نے فرض و واجب کا درجہ دے دیا، ان رسومات ہی کو تم نے منتہائے کمال سمجھ لیا،

کشفیات اور تصرفات کو تصوف کا اصل ثمرہ سمجھ بیٹھے، تم مراقبوں اور چلّوں ہی میں گھر کر رہ گئے، نفسانی کیفیات کو روحانی لذت اور وجد وحال کو ارفع حالت سمجھنے لگے۔ مبشرات، فتوحات اور کرامتوں کے قصّے لے کر بیٹھ گئے، تعطّل کو تفویض سمجھ لیا۔ مقصود تمھارے ہاتھ سے نکل گیا اور تم جادۂ شریعت سے دور جا پڑے ؎

رہ گئی گھر کر حدودِ شوق میں　　　کچھ نہ نکلی ہمتِ پروازِ دل

ہمارے حضرتؒ نے کل رسومات کو حذف کر دیا اور چاروں سلسلوں کی تجدید کی اور فرمایا کہ یہ نہ سمجھنا کہ تعلیم و تربیت اور روحانیت ہمارے یہاں نہیں مگر روحانیت کی ترقی منحصر ہے تعمیلِ احکام میں کیفیات اور مکاشفات کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ ساری شریعت اور تمام سلوک ایاک نعبد و ایاک نستعین اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم کے اندر ہے۔ وہ کون لوگ ہیں جن پر انعامات ہوئے؟ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں، انھیں کا مسلک اختیار کرو۔ انھیں کی تقلید کرنے سے سب کچھ ملے گا۔ یہ اللہ کے راستہ پر چلے ہیں ان کے پیچھے پیچھے ہو لو۔ ان کے یہاں صرف وہی ہوتا ہے جو اللہ اور رسول نے بتلا دیا ہے۔

چودہ سو برس کے جتنے نشیب و فراز تھے حضرتؒ نے سب ہموار کئے اور پھر حضورؐ کی چوکھٹ پر لا کر کھڑا کر دیا۔ تربیتِ باطن دربارِ رسالت سے زیادہ اور کہاں میسّر ہو گی۔

تعیین مقصود

پہلے معلوم کرلو کہ تمھیں تشنگی کاہے کی ہے اور کس چیز سے بجھے گی۔ دین کیا ہے اور کس لیئے حاصل کرنا چاہتے ہو؟ مقصود متعین کرلینا بڑا ضروری ہے۔

سکھر والے حکیم صاحب نے عرض کیا کہ "مقصود تو معلوم ہے کہ رضائے حق ہے"۔

ارشاد فرمایا کہ اسی کو سمجھنا ہے کہ مفہوم کیا ہے رضاءِ حق کا؟ معلوم نہیں مدعی رضائے حق کو کیا سمجھا۔ خدا جانے اوراد و وظائف سمجھا، ترکِ دنیا سمجھا، ترکِ لذات سمجھا، کشف و کرامات سمجھا، زندگی اپنے اندر ہزاروں نشیب و فراز لیئے ہوئے ہے نہ جانے کیسی کیسی گھاٹیوں سے گزرنا پڑے، اب کسی مقام پر جاکر یہ محسوس کرسکے کہ اللہ میاں راضی ہیں تو کیا کروگے؟ سلامتی کی بات یہ ہے کہ تعمیل حکم کو مقصود سمجھتا رہے۔ جب معلوم ہو گیا کہ مقصود صرف یہی اعمال ہیں تو پھر کرتے رہیئے ؎

بشنود یا نشنود آرزوئے میکنم حاصل آید یا نیاید جستجوئے میکنم

جب یہی شیوہ ہے تو کئے جاؤ یہی حاصل ہے یہی مقصود ہے ؎

کیفِ شوریدہ سری یا لذتِ بے حاصلی ۔ ہے محبت کا یہی حاصل یہی حاصل سہی

اس وقت کوئی چیز قابلِ طلب نہیں سوائے توفیقِ اعمالِ صالحہ کے۔ نماز بے کیفی اور بدحواسی کے ساتھ پڑھی مگر وقت پر پڑھی مقصود حاصل ہے۔

اب راستہ میں ہزاروں وسوسے آئیں، ہزار عنوان سے شیطان سمجھائے کچھ پروا نہ کرنی چاہیے۔ قبول کے پھیر میں تم نہ پڑنا دوسرے کے کام میں تم کیوں دخل دیتے ہو۔ قبول کرنا توان کا کام ہے۔ تم کام کیے جاؤ۔ انھوں نے کہہ دیا ہاتھ اٹھاؤ، ہاتھ اٹھالو، دعا مانگ لو، رولو، آہ وزاری کرلو۔ قبولیت کے آثار نظر نہیں آرہے نہ آئیں اسی طرح جیو۔ جب یقین کے ساتھ معلوم ہوگیا کہ یہ دروازہ انھیں کا ہے کھٹکھٹائے جاؤ۔ دروازہ تو انھیں کا ہے ؎

موجِ خوں سر سے گزر ہی کیوں نہ جائے
آستانِ یار سے اُٹھ جائیں کیا ــــــ!

حضرت والاؒ کا مسلک

حق تعالےٰ حضرت والاؒ کے مدارج بلند فرمائے، مقصود کو اچھی طرح سمجھا کر بڑا احسان فرما گئے ہیں۔ طالبانِ حق کو بڑی تسکین دے گئے ہیں۔ اس مجدّدِ وقت نے صحابہ کرامؓ کا مذاق پیدا کرانا چاہا اور پیدا کرا گئے ہیں۔ تجدیدِ رسالت کا درج کی بلندیوں کا معیارِ کامل بتا گئے ہیں۔ وہاں نہ کیفیات تھیں نہ ذوقیات، نہ وجد تھا نہ حال۔ بس حکم کی تعمیل ہو جائے۔ چاہے سر تن سے جدا ہی کیوں نہ ہو جائے اور فی الحال چاہے کچھ بھی مل جائے اور چاہے کچھ بھی نہ ملے۔ حضورؐ نے تو اللہ واحدِ مطلق کی طرف متوجہ ہونے کو

کہا تھا اور اس کائنات کو آزمائش کا سامان بتا کر آخرت اور غیب کی بشارتیں دی تھیں۔ ان یتیم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اُس وقت نہ خزانہ تھا نہ فوج، ایک بے کیف سی تعلیم تھی قوم کے جذبات کے خلاف رسم و رواج کے خلاف، سارے عالم کے خلاف، حکم کی تعمیل کرتے رہو اور بڑھتے رہو، خلاقت، کیفیات، اور ذوقیات یہ تو سب راستہ کی چیزیں ہیں اور ضمناً ہیں، مقصود تو نہیں ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت والاؒ نے تمام باطن کے مقامات کا تذکرہ فرمایا، تعلق مع اللہ اور درویشی کی راہ میں چلنے والوں کے حالات کا تذکرہ کیا اور پھر فرمایا "مگر سب کا خلاصہ یہ ہے کہ حقوقِ واجبہ ادا ہو جائیں، احکاماتِ الہیہ کی تعمیل ہو جائے۔ اگر درویشی کا انجام یہ ہے تو سب کچھ ہے ورنہ کچھ بھی نہیں" تعمیلِ حکم کے دوران میں اگر کیف پیدا ہو جائے نورٌ علیٰ نور اور اگر نہ ہو تو کچھ پرواہ نہیں ۔

ہے یہی کیا کم کہ ہوں میں ابھی حریم ناز میں ۔ التفاتِ حسن سے بیخود سہی غافل سہی

تم ان کے ہو کر تو دیکھو، تم احکاماتِ الہیہ کی پابندی کر کے رضائے الٰہی حاصل کرنے کی حتی المقدور کوشش تو کر لو، پھر سب کچھ ہی مل جائے گا ۔

شاید یہی تسلیم و محبت کا صلہ ہے
ہر دولتِ حسنِ دوجہاں میرے لئے ہے

مگر تم تو نفس کے غلط راستہ سے آتے ہو اور نفس مقصود تک نہیں پہونچنے دیتا، طلبِ لذت میں الجھا دیتا ہے۔ شیطان راہ مار دیتا ہے ۔

یاں لعلِ فسوں ساز نے باتوں میں لگایا
دے پیچ ادھر زلف اڑا لے گئی دل کو

شیطان نے کہا کہ مار لیا کام، کیفیتوں پر اور لذتوں پر نظر جم گئی، مقصود سے نظر ہٹ چکی، بس مطمئن ہے کہ طبیعت میں یہ کیفیت راسخ ہو جائے

پھر تو جب چاہوں گا ماروں گا نہ دین کا چھوڑوں گا نہ دنیا کا ؎

مچھلی نے ڈھیل پائی ہے چارہ پہ شاد ہے
صیاد مطمئن ہے کہ کانٹا نگل گئی

شیخ کا کام یہ ہے کہ شیطانی راہوں سے نکال کر سیدھے راستہ پر ڈال دے۔ ابلیس کا راستہ میں جہاں جہاں شائبہ تھا، ہمارے حضرتؒ نے سب صاف کر دیا۔ اب محذوش راستہ مت اختیار کرو۔ سیدھے راستہ پر ہو لو۔ سمجھ لو ایک دفعہ آستانِ یار یہی ہے بس سیدھا سادہ سجدہ کر لو، حکم کی تعمیل ہو جائے۔ کیفیات و ذوقیات سب فانی چیزیں ہیں، عطا ہے اگر مل جائیں۔ لیکن بے کیف سجدہ! اللہ اللہ!! نفس و شیطان نے مزاحمت کی، ماحول مزاحم ہوا، طبیعت نے مخالفت کی، مشاغل نے روکا مگر اس حضورؐ کے امتی نے آکر آستانِ یار پر سر رکھ ہی دیا۔ دل حاضر نہیں، سکون نہیں، ذہن منتشر ہے، طبیعت مکدر ہے مگر سر ہے کہ رکھا ہوا ہے ___ یہ شخص جو اس وقت سر بسجود ہے ایک دفعہ سمجھ چکا ہے کہ آستانِ یار یہی ہے، پھر لاکھ موانعات آئیں مگر یہ ثابت قدم رہتا ہے ؎

جبہ سائی سے اگر کچھ نہیں حاصل نہ سہی
کس طرح چھوڑ دے سنگِ درِ جاناں کوئی

کچھ معمولی بات ہے — ! ارے یہ سر دہاں رکھا ہوا ہے کہ اس عالم میں حضورؐ کے امتیؐ کے علاوہ کسی کی مجال نہیں کہ وہاں باریاب ہو جائے۔
نہ ساجد ایسا نہ مسجود۔ ساجد و مسجود کا رشتہ برقرار رہنا چاہیئے۔ ہوائیں کیسی کبھی چل جائیں، حالات کچھ بھی گزر جائیں، واقعات کیسے بھی آپڑیں، مگر یہ رشتہ نہ ٹوٹنے پائے۔ حالات سب منقلب ہونے والے ہیں، کیفیات سب فانی ہیں، باقی جو کچھ ہے وہ یہ عمل ہے۔ بس یہ دیکھے جاؤ کہ سجدہ ہے یا نہیں، یہ مت دیکھو کہ کیف ہے یا نہیں۔

یہ مسلک بظاہر خشک سا معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت اتباع اسی میں ہے اور اتباع ہی سے ملیگا جو کچھ ملے گا۔ جو نفس بتائے وہ باطل اور جو حضورؐ بتائیں وہ حق ہے۔ صورت نمازکی بنالو، کیف ہو کہ نہ ہو۔ ضابطہ کا کام کرتے رہو پھر رابطہ بھی پیدا ہو جائے گا۔ یہ ضابطہ کا سجدہ رنگ لائے بغیر نہیں رہے گا طلبِ صادق ذوقِ کامل پیدا کردے گی۔ جب تم عبادتوں کو خالص اللہ کے لئے کرلوگے اور یقیناً جلدی ہی کرلوگے کیونکہ لذّت دکیف کے تو تم طالب ہو نہیں پھر حضورؐ کے اتباع کی برکت سے کائنات کی ایک ایک شے افزائشِ ایمان کا سبب بن جائے گی ؎

چیست دانی بادۂ گلگوں مصفّا جوہرے
عشق را پروردگارے حسن را پیغمبرے

دیکھا کیا دولت پا گئے۔ اس بے کیف سجدہ نے آخر تمام جذباتِ عشق کو جگادیا۔ تمام تجلیات اور مشاہدات کو مصفّا بنادیا۔ تمام کیفیات تم پر

نچھاور ہوگئیں۔ اللہ کی قدرت کے سوا کچھ نظر نہیں آتا ؎

یہاں تک بڑھ گئی وارفتگیٔ شوقِ نظّارہ

حجاباتِ نظر سے پھوٹ نکلا حسنِ جانانہ

یہ بے کیف سجدہ پیغام رساں بن گیا بارگاہِ الٰہی میں کہ ایک عاجز درماندہ، بے کس، بے نوا بندگی اور فرماں برداری میں کوشاں ہے، اپنی کوتاہیوں پر منفعل اور آپ کی عنایتوں کا طلب گار ہے۔

یہ ملتا ہے خدا پرستی میں اور حضورؐ کے اتباع میں۔ یہ تھا ہمارے حضرتؒ کا مسلک جس کو ہم نے اپنی زبان میں کچھ بتلایا۔

معاملات اور معاشرت کی اصلاح پر توجّہ

ایک سلسلہ گفتگو میں ارشاد فرمایا کہ پہلے مقصود کو سمجھو اچھی طرح سے کہ کیا ہے؟ اور مقصود یہ ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا ہو جائیں، کیف سے، بے کیفی سے، خوف سے، محبت سے، وساوس و خطرات سے، بیدلی سے، شرماحضوری سے کسی طرح ادا ہوں ادا ہو جائیں جس طرح بعض مرتبہ حقوق اللہ کی ادائیگی میں دل نہیں لگتا مگر ادا کرتے ہیں اسی طرح حقوق العباد کو بھی دل چاہے نہ چاہے ادا کرتے رہو۔ نماز میں وساوس و خطرات آتے ہیں تو پوچھا جاتا ہے کہ کس طرح ان کو دور کیا جائے۔ کیسے حضوری حاصل ہو، مگر حقوق العباد کی ادائیگی میں کبھی نہیں پوچھتے۔

کیا اس میں وساوس نہیں آتے؟ کیا نفس وشیطان اس وقت چھوڑ دیتے ہیں؟ جب نماز پڑھتے ہو تو درجۂ احسان حاصل کرنا چاہتے ہو مگر جب معاملہ کرتے ہو --- ؟ تب بھی اللہ میاں نظر آتے ہیں یا نہیں؟

عجیب بات ہے جو انوار کی جگہ ہے وہاں تو وساوس کی شکایت اور ظلمتکدہ میں شکایت نہیں۔ ارے جہاں گندگی ہے وہاں کیوں وساوس کا تذکرہ نہیں کرتے۔ فنیل تو یہاں چھڑکنے کی ضرورت ہے معاملات اور معاشرت میں جو گندگیاں ہیں، فاسد خیالات ہیں، بُری نیتیں اور ناپاک ارادے ہیں ان پر کیوں نظر نہیں جاتی اور نماز میں تو آپ سرکار دو عالم کی ہیبت سے کھڑے ہوتے ہیں۔ یہاں کیا شکایت! یہ ہیبت تو خود مانع ہو رہی ہے منکرات سے۔

جب یقین کے ساتھ سمجھ لیا کہ مقصود صرف فرائض وواجبات کی ادائیگی ہے اور فرائض وواجبات جس طرح عبادات میں ہیں اسی طرح معاملات اور معاشرت میں بھی ہیں تو پھر کیسی ہی حالت ہو طبیعت میں غصہ ہو، کڑھن ہو، گرانی ہو حقِ واجب ادا کر دیا جائے مقصود حاصل ہے۔

غیر مقصود ذوق وشوق کی مذمت

ہندوستان کے دوآبہ اور یونان میں دنیوی اعتبار سے بڑے بڑے صاحبِ کمال اور مفکر گزرے ہیں فلسفہ یہیں سے شروع ہوا ہے اہلِ یونان

کرامات مشہور ہے ان کے نیچے کے سامنے کسی چیز کا نام لیجئے اور شام تک اس پر ایک طویل افسانہ سن لیجئے۔ غضب ہے ان لوگوں نے محبت کی تصویر بنائی کہ ایک بچہ ہے اندھا ہوا میں اُڑا جا رہا ہے۔ لفظوں میں کیا سمجھاتے تصویر بنا دی جس میں عجلت پسندی ہے، نادانی اور معصومیت ہے چاہتی ہے کہ ہوا میں اُڑ جائے۔

چھوت چھات ہندوستان کے مفکرین کا سبق ہے۔ امتیاز کی ایک وجہ نکالی گئی ہے۔ ان لوگوں کے ادراکات بڑے لطیف تھے نظر تو دور تک پہنچی مگر گمراہ ہو گئے۔ جس چیز سے فائدہ پہنچا اسی کی پرستش شروع کر دی یا جس سے مرعوب یا خوف زدہ ہوئے اس کو پوجنے لگے تلسی کی پتی ملیریا کے لئے مفید ہے تو کرو اس کی پرستش۔

دنیا کے اعتبار سے یہ سب لوگ عقلمند ہی تھے، ذہین تھے، فلسفی تھے مگر ان کے پیر و مرشد شیطان نے کہاں کہاں بھٹکایا، کہاں کہاں سر جھکوایا، معلومات کی لذتوں میں گم ہو گئے، علم کے نشہ میں عمریں گزار دیں۔ پھر ہر مفکر کا ایک جدا ذوق تھا یہی ان کی رہبری کرتا تھا تو قوت تخیل نے ہزاروں دیوتا تراش لئے، گمراہیوں اور ظلمتوں میں بڑھتے چلے گئے۔

پیغمبر آئے سمجھانے کے لئے مگر اپنا ذوق کیسے بدل دیا جائے، یہ تو برسوں کا پرانا ذوق تھا، باپ دادا کے وقتوں کا ذوق، پیغمبروں کو جھٹلایا مگر اس ذوق و شوق اور لذت کو نہ چھوڑا .... اور کہنے لگے وہ عذاب لے آیئے جس کا آپ ڈراوا دیتے ہیں۔ اللہ اللہ پھر کیسے کیسے

دردناک عذاب آئے، قومیں کی قومیں فنا ہو گئیں، صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالی گئیں۔ یہ لذت اور شوق کے پیچھے چلے تھے شیطان نے ہزار عنوان سے اپنی پرستش کرائی۔ ہدایت کی صلاحیتیں ختم ہو گئیں اور خود کو ہدایت پر سمجھتے رہے کہ لذت تو ہے تکمیلِ شوق تو ہو رہی ہے۔ جبلتیں بدل گئیں۔ صورتیں مسخ ہو گئیں، تباہ اور برباد ہو گئے۔ اپنا ہی ایک شعر یاد آیا ؎

دل نے بنایا شوق کو رہبر، شوق ہی نکلا دل کا رہزن
کون سنے گا، کس کا جگر ہے، میرے نالے میرا شیون

نفس دراصل ہے لذت گیر، اور یہ لذت اور کیف ہی تباہی کا سبب بن جاتے ہیں، انسان اندھے ہو جاتے ہیں، اپنی عظمت میں، رسم و رواج میں، فنکاریوں میں، مطلق العنانی میں، آزادی میں اور دولتوں میں یہ اپنی لذت کا طالب ہے ؎

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو
اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہئے

اسکو تو دن رات ایک سرور ایک کیف چاہیئے اور بسا اوقات یہ لذتیں کچھ آسانی سے بھی نہیں مل جاتیں۔ بڑی بڑی کوششیں انسان ان کے لئے کرتا ہے، خطرات میں خود کو ڈالتا ہے، صعوبتیں برداشت کرتا ہے مگر مقصود وہی لذت و کیف اور اپنے شوق کی تکمیل ہوتی ہے۔

خیر اہلِ باطل تو جو چاہیں کریں وہ تو ہیں ہی لذت پرست مگر تعجب تو ان لوگوں پر ہے جو اہلِ حق سے منتسب اور عبادتوں میں بھی لذتوں کے طلبگار۔

اگر یہ بھی عبادتوں سے اور مجاہدوں سے کیفیات کو مقصود بنالیں تو ان کی بے راہی زیادہ قابلِ افسوس ہے ؎

نہ ممکن ہو سکی تکمیلِ شرحِ مدعا مجھ سے
ہزار عنوان بدلے، لاکھ اندازِ بیاں بدلا

حق سے پھر جانے والے طالبِ حق نہیں ہوتے

کسی صاحب کا تذکرہ تھا جو اپنے سلسلہ کو چھوڑ کر کسی پیر کے خلیفہ بن گئے۔ اس پر بہت زیادہ افسوس کے ساتھ فرمایا: یا اللہ! کیسے مناظر سامنے آتے ہیں، کیسے کیسے لوگوں کے حالات سننے میں آتے ہیں۔ بڑی عبرتناک بات ہے۔ اے اللہ ہم پر بڑا فضل آپ نے فرمایا ہے ؎

دل کو تپشِ شوق کی اک لذتِ پیہم
مل تو گئی لیکن بڑی مشکل سے ملی ہے

بے غبار اور سیدھے راستہ پر پڑ جانا بڑی نعمت ہے۔ ہمارے حضرتؒ نے سب چیزیں نمایاں کر کے دکھا دیں، آنکھیں کھل گئیں، ورنہ جانے کہاں بھٹکتے پھرتے۔ آج ایک عالم لذتوں میں گرفتار ہے اور اسی کو مقصود سمجھے ہوئے ہے ؎

مبتلائے کیفِ سوز و ساز ہے
دِل ابھی تک ناشناسِ راز ہے

کیفِ سوز و ساز تو تمہارے جذبات ہیں یہ بھی کوئی قابلِ التفات چیز

ہے۔ ایک غیر اختیاری غیر مامور بہ شے جو فرض نہ واجب —— ایک کیفیت ہے۔ اسی لذت میں مبتلا ہو گئے۔ کیا یہی معیار ہے بزرگی کا اور خلافتوں کا — ؟

وہ لوگ جو حق سے آکر ناحق کی طرف ملتفت ہو جاتے ہیں وہ درحقیقت حق کے طالب ہی نہیں ہوتے۔ دل میں چور لئے ہوئے ہوتے ہیں، خود اپنے نفس کی پرستش کرنا چاہتے ہیں۔ ایک دفعہ دیکھ لو دل میں ٹٹول کے کیا چاہتے ہو؟ کھول کر بتاؤ تو۔ دیکھیں تو کتنا جگر ہے۔ آج کھل کر کہہ دو کیا طلب کرنا ہے؟ چور کا ہے کو رکھتے ہو دل میں۔ ابھی بتائے دیتے ہیں دیکھو مستند راستہ ہے صحابہؓ کا۔

شہرت کی ہوس ہو کہ خلافت کی، لذت کی طلب ہو یا کیفیات کی سب ابلیسیت ہے نفس پرستی ہے کسی نہ کسی صورت میں۔ یہاں تو اول قدم اپنے کو مٹانا ہے۔ فنا کرنا ہے۔ کیا صحابہؓ کے حالات سے واقف نہیں ہو؟ پھر حضورؐ کے احکام کے سامنے کیسا انھوں نے اپنے کو مٹایا۔ کیا ایمان لانے کے بعد تعمیل ارشاد کے علاوہ کوئی اور بھی مقصد تھا ان کا؟ اب تعمیلِ ارشاد میں کوئی حالت بھی عطا ہو جائے مگر مقصود تو دوسری چیزیں نہیں ہو سکتیں۔

ایک شخص ایک بزرگ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے یوں مجاہدے کئے، ریاضتیں کیں، دعائیں مانگیں اور سیکڑوں بزرگوں کے پاس گیا مگر تسکین نہ ہوئی، کشودِ کار نہ ہوا۔ ان بزرگ نے اس شخص کو غور سے دیکھا،

اور فرمایا کہ عزیزِ من! آجتک تم کسی بھی بزرگ کے پاس نہیں گئے۔ میرے پاس بھی اگر اس گمان میں آئے ہو تو یہ بھی خام خیالی ہے۔ دراصل تم آجتک اپنے ہی نفس کو بزرگ سمجھا کئے، وہی چیز میرے پاس لے کر آئے ہو اور وہی لے کر چلے جاؤ گے (وقد دخلوا بالکفر وھم قد خرجوا بہ) اور تحقیق وہ لوگ کفر کو ساتھ لائے تھے اور اسی کے ساتھ وہ واپس نکلے۔ جو حق سے اور اہل حق سے وابستہ ہو کر پھر پلٹ جاتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ وہ طالبِ حق ہوتے ہی نہیں ورنہ خدا کا قانون ہے شیخ چاہے کیسا ہی ہو طالبِ حق مخلص ضرور کامیاب ہوتا ہے۔

مزاحاً فرمایا کہ یہ پیر صاحب جنھوں نے ان صاحب کو مرید کیا ہے اور فوراً خلافت بھی دیدی، کچھ بھی سہی مگر آدمی ذہین معلوم ہوتے ہیں کہ جس فیشن کا گارمینٹ (GARMENT) ان کے مزاج نے تیار کیا ہے اس طرز کا کوئی بزرگ تو ملنے سے رہا لہٰذا ان کا لباس انھیں کو پہنا دو، خلافت دیدو۔ آج سے آپ بھی بزرگ ہیں۔ یہ قبائے بزرگی جو آپ نے بنایا ہے سوائے آپ کے کسی کے فٹ نہ آئے گا۔

حقیقتِ سلوک

ہمارے حضرتؒ بڑی جامع اور گر کی بات فرما گئے ہیں کہ کسی کو کسی سے تکلیف نہ پہونچے کُل سلوک ہے، جب بندہ اپنے مالک کو خوش

کرنے کا قصد کرتا ہے اور کوشش کرتا ہے تو اسی کا نام سلوک ہے۔
اور سالک کسی کی اذیت کا سبب بن کر راضئ محبوب کا مورد نہیں بن سکتا۔

دراصل ہمارے رذائل دوسرے کی اذیت کا سبب بن جایا کرتے ہیں تمام رذائل گویا ایذا رسانی کا مادہ ہیں تا وقتیکہ ان کا امالہ نہ ہو جائے اور مصرف ٹھیک نہ ہو جائے ——— مثال کے طور پر آپ ہمارے پاس آئے ہمارے اندر ایک داعیہ پیدا ہوا کہ ان سے ریاکارانہ سلوک کیا جائے۔ ہمارے اندر یہ رذیلہ پہلے سے بھی موجود تھا۔ آپ کو دیکھ کر ہمارے نفس نے اس رذیلہ کو ابھار دیا۔ اب جس وقت آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ اس نے ہمارے اخلاص کا بدلہ ریاکاری سے دیا ہے کتنی اذیت آپ کو ہوگی۔ علیٰ ہذا القیاس۔

معلوم یہ ہوا کہ جتنے رذائل ہیں مخلوق کے ساتھ جب انکی وابستگی ہوتی ہے جبھی وہ ابھرتے ہیں۔ عالمِ تعلقات میں سب قلعی کھل جاتی ہے بزرگی کی کہ ہم مخلوق کی اذیت کا باعث ہو رہے ہیں یا راحت کا، سلوک طے کر رہے ہیں یا نہیں، اللہ کی رضا حاصل کر رہے ہیں یا نہیں، اسی وجہ سے حضرت نے فرمایا کہ کسی کو تکلیف نہ پہنچانا "کُل سلوک" ہے۔

مجاہدہ

دوسرے جب اس کا اہتمام کیا جائے گا کہ دوسرے کو ہماری وجہ سے کوئی اذیت نہ پہنچے تو اس میں مجاہدہ کرنا پڑے گا، غصہ کو روکنا پڑے گا، شہوتوں کو دبانا پڑے گا، ریاکاری سے بچنا پڑے گا، نظروں کو نیچا کرنا پڑے گا۔ فضول گوئی، تفاخر، تکبر اور غیبت سے،

گندگی اور عدم صفائی سے جو کسی نہ کسی طرح دوسروں کی اذیتوں کا سبب بن جاتے ہیں پرہیز کرنا پڑے گا۔

حفاظتِ حقوق حق تلفی یقیناً اذیتوں کا باعث بنتی ہے۔ اور اور پھر حقوق دو قسم کے ہیں، حق اللہ اور حق العباد، سالک دونوں کی ادائیگی کی فکر کرے گا کہ کوئی بات ایسی سرزد نہ ہو جائے جو خدا اور رسول کے عتاب اور مخلوق کی اذیت کا باعث ہو جائے۔

حفاظتِ حدود اسی طرح حسنات میں بھی جب غلو ہو جائے گا اور اعتدال جاتا رہے گا تو یہ بھی رذائل میں شمار ہو جائیں گے۔ اگر محبت بھی وجہ اذیت بن جائے گی تو یہ بھی رذیلہ ہو جائے گی۔ کسی شخص کو اگر گھورتے رہنے سے اذیت پہنچے نہ دیکھنا چاہیے۔ حسرت نے خوب کہا ہے۔

شیوۂ عشق نہیں حسن کو رسوا کرنا
دیکھنا بھی تو انھیں دور سے دیکھا کرنا

اصلاحِ اخلاق تمام حسنات کا اپنے اندر پیدا کرنا تاکہ مخلوق کو ہم سے راحت پہنچے اور اس ذریعہ سے ہم کو رضائے الٰہی نصیب ہو۔ اور تمام رذائل کا ازالہ کر دینا تاکہ مخلوق خدا ہمارے نفس کے شرور سے اور ان رذائل کی وابستگی سے محفوظ ہو کر ظلم و ستم اور اذیتوں سے بچ جائے "کل سلوک" نہیں تو اور کیا ہے۔

اصل میں لمحاتِ فکر یہ ہم کو نہیں ملتے۔ آخر ایک مجدد نے اس کو

کل سلوک کیسے کہہ دیا، غور طلب بات ہے اور غور کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ تمام سلوک کا اور شریعت کا مقصد یہی ہے کہ حقوق کی ادائیگی بکمالہ ہو جائے ؎

اس طرح جی کہ بعد مرنیکے	کوئی تو یاد گاہ گاہ کرے
؎ بہشت آنجاکہ آزارے نباشد	کسے را باکسے کارے نباشد

دربارِ رسالت کی سند اور یہ سب کچھ استنباط ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک عمل سے — قربان جائیے۔ حضورؐ کی اس ادا کے — کہ جب عشاء کے بعد آپ باہر سے تشریف لاتے تو بہت آہستہ فرماتے "السلام علیکم" اس طرح کہ جو سوئے ہوئے ہوں وہ بیدار نہ ہوں اور جو جاگے ہوئے ہیں وہ سن سکیں۔ یہ سند ہے حضورؐ کے دربار کی۔ ہماری تمام معاشرت، معاملات اور اخلاقیات کی بنیاد یہی ہے کہ کسی سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ ارے رحمت اللعلمینؐ کا امتی اور مردم آزار! عجیب ہی بات ہے۔

ہم نے بہت سے ضربیں لگانے والوں کو دیکھا ہے کہ کہیں مہمان جائیں گے اور اذیت کا سبب بن جائیں گے۔ بڑے بڑے دعوے کرنیوالے مریدین، صاحب اجازت لوگوں کی یہ حالت ہے کہ اذیت کا باعث بن جاتے ہیں اس میں اکثر بڑے بڑے ذکر و شاغل لوگوں کو مبتلا پایا۔ یہ سب بدذوقی کی علامت ہے۔ کیا کیا جائے یہ لوگ اذیت رسانی سے بچنے کو سلوک ہی نہیں سمجھتے۔ بات یہ ہے کہ "ناقص مقاصد" کے ساتھ اوراد و ظائف

کرتے ہیں، بس اسی میں الجھ کر رہ جاتے ہیں۔ اس سے آگے نظر ہی نہیں جاتی۔ اللہ مدارج بلند کرے ہمارے حضرت رحؒ کے مزاجِ دین سے آشنا کر گئے، زندگی کا معیار بتلا گئے اور سمی خانقاہیت گمراہیوں سے نکال کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چوکھٹ پر لاکر کھڑا کر دیا ؎

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی　　　مرا با جانِ جاں ہمراز کردی

موحّد کا ادراک اور حیاتِ طیّبہ

دنیا کے مفکرین اور فلاسفہ کا تذکرہ تھا کہ ڈاکٹر صاحب نے اس شعر سے سلسلۂ گفتگو شروع کیا ؎

کتب خانۂ چند ملت بشست　　　یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست

الحمد للہ ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس زمانہ میں، اس دور میں ایمان کی دولت مل جانا حضورؐ کا امتی ہونا اور اعمالِ صالحہ کی توفیق ہو جانا ایک ایسی دولت ہے کہ تمام عالمِ امکان اس کے آگے ہیچ ہے۔

موحّد کی خصوصیت ہے چاہے وہ جاہل و فاسق ہو اللہ کی قدرت میں کسی کو شریک نہیں کر سکتا۔ کسی سے پوچھ لو۔ ایک بزرگ نے بارگاہِ الٰہی میں درخواست کی کہ مجھے اپنا محبوب ترین بندہ بتلا دیجیے۔ ارشاد ہوا کہ فلاں شخص سے ملو اور پوچھو کہ کیا سوئی کے ناکہ سے اونٹ نکل سکتا ہے؟

چنانچہ انھوں نے پوچھا۔ اس شخص نے جواب دیا کہ میرا مالک چاہے، تو پہاڑ نکال دے آپ اونٹ کو لئے پھرتے ہیں۔ یہ اور اک ہے لا الہ الا اللہ کہنے والے کا۔

لا الہ الا اللہ بذات خود ایک نور ہے۔ اس کلمہ کے تلفظ سے تمام عالم امکان منور ہو جاتا ہے۔ یہ اقرار کی دولت مسلمان کے علاوہ کسی کو نہیں دی گئی۔ اس کلمہ سے تعلقِ خاص پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بعد درمیان میں کوئی چیز نہیں رہ جاتی۔ اس کی قدر کرنا چاہیئے شکر ادا کرے۔ اور شکر کے معنی یہ ہیں کہ کلمۂ توحید کو اپنی تمام زندگی کے اعمال میں ڈھال لے اور حضورؐ کا اتباع ہو جائے۔

جب تک اس کلمہ کا تلفظ جاری ہے سمجھو خوش نصیبی ہے، اور یہ جاری نہیں ہو سکتا جب تک فضلِ خاص نہ ہو۔ اوامر و نواہی میں کوتاہی اگر ہو جائے استغفار کرے کہ یہ بھی عملِ صالح ہے۔ بعض مرتبہ خیال ہوتا ہے خدا جانے مرنے کے بعد کیا ہو مگر جب مومن کو بشارتیں دی گئیں اب ہراس اور نا امیدی کی کوئی وجہ نہیں۔ دیکھ لو کلمہ کا تلفظ زبان سے تصدیقِ قلبی کے ساتھ ہو رہا ہے یا نہیں۔ جب ہو رہا ہے بے فکر ہو جانا چاہیئے۔ اپنے کام میں لگے اب کاہے کا غلطان! شیطان اگر وسوسہ ڈالے کہ سیاہ کاریوں میں زمانہ گزر گیا اب کس توقع پر چلے ہو آخرت میں، تو کہہ دو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ کفر کا وسوسہ بھی اگر ڈالے تو پڑھو لا الہ الا اللہ اور کہہ دو کہ الحمد للہ مسلمان ہوں اور مسلمان دوزخ میں نہ جائے گا۔

اور وعدوں پر وعدے ہیں، بشارتیں ہیں، ان کے وعدے سچے، دوزخ سے کیا واسطہ مسلم ان کو ہم تو فرمانبردار رعیت ہیں، نہ باغی ہیں نہ مجرم، پھر دوزخ سے ہمیں کیا مطلب۔ دوزخ تو ابولہب کے لئے ہے، کفار کے لئے بنائی گئی ہے۔ ہاں مسلمان ہوکر اگر نافرمانی کروگے اور توبہ بھی نہ کروگے تو تھوڑی دیر کے لئے چلے جاؤ گے دوزخ میں۔ جب ضالین کے دائرہ میں قدم رکھو گے تو زرملدث ہوجاؤ گے، گرم دائرے میں قدم رکھو گے گھس جاؤ گے، سرد میں رکھو گے منجمد ہوجاؤ گے۔ گلزار ابراہیم موجود ہے اور وہ اسلام ہے۔ چاروں طرف آگ کے شعلے ہیں ظلم وتعدی، بے حیائی اور بے غیرتی ہے اب بھی وقت ہے اس گلزار میں آنے کا۔ اسی میں پناہ ہے جو اس گلزار میں ہیں چین میں ہیں اور انشاء اللہ مرنے کے بعد بھی چین ہی سے رہیں گے۔ لا الہ الا اللہ ——— کیوں بھائی بڑے مطمئن ہو ——— الحمد للہ بھائی نماز پڑھ لی عصر کی اب مغرب کی پڑھیں گے۔ ڈر کاہے کا۔ ڈر تو ان کو ہے جو فسق و فجور کے دائرے میں ہیں۔ بس اپنی حالتِ موجودہ پر شکر ادا کرتا رہے اور کام میں لگا رہے اور کوتاہیوں پر استغفار کرتا رہے اور مایوس نہ ہو اور خوش رہے اور جب وقت آئے آخرت میں چلا جائے ؎

حریفاں بادہا خوردند و رفتند
تہی خمخانہا کردند و رفتند

———

احساسِ فراغت

ارشاد فرمایا کہ فراغتِ قلب بڑی دولت ہے ۔میرا جی چاہتا ہے کہ آپ کے سامنے آج اسی کا تذکرہ کروں کیوں کہ ہمارے حضرتؒ کو فراغتِ قلبی بڑی عزیز تھی اس کا بڑا اہتمام فرماتے تھے اور اسی کی تعلیم فرماتے تھے ۔کبھی فرماتے کہ مجھے ادھوری بات سے بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ نہ میں کسی کو منتظر رکھتا ہوں نہ کسی کا انتظار کرتا ہوں دوسرے کو اذیت سے بچا نا کل سکو کسے رکبھی فرماتے کہ میں جو تقاضے کے ساتھ ہر کام سے فارغ ہو جاتا ہوں وجہ اس کی یہ ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ قلب غیر اللہ کے ساتھ مشغول نہ ہو ۔ تاکہ اگر کبھی خدا کی یاد کی توفیق ہو جائے تو موانع مرتفع ہوں ـــــ ایک مجدد وقت نے اس مشغول اور مختصر زندگی میں کیسی اہم بات کی طرف توجہ دلائی اور ساری زندگی اسی کی اہمیت بیان فرماتے رہے اور خود عملاً دکھلاتے رہے ۔

نعمتوں کا مشاہدہ ،معیت الٰہیہ کا شرف ، خدا سے مناجاتیں ، تدبر تفکر یہ فراغتِ قلبی ہی کی تو برکتیں ہیں ۔ اگر قلب کو اللہ کے لئے فارغ کیا جائے گا تو یہ تجلی گاہِ حق بن جائے گا ۔ اپنے قلب کو کم از کم تین منٹ کے لئے مطلقاً فارغ رکھنے کی عادت ڈالنی چاہئے ؎

بفراغ دل زمانے نظرے بماہ روئے
بہ ازاں کہ چتر شاہی ہمہ روز ہاؤ ہوئے

آپ نے جس کے لئے قلب کو فارغ کیا ہے وہ اس کو بے نوازے نہ چھوڑیگا۔

فراغتِ قلب کا ایک عنوان صحبتِ اہل اللہ ہے ۔ اگر آپ تھوڑی دیر کے لئے علائقِ دنیا کو قطع کر کے فراغتِ قلب حاصل نہ کر لیتے تو آپ اہل اللہ کی مجلسوں میں جاتے ہی کیوں ان کی مجلس میں آپ اللہ سے ملتے ہیں یوں آپ کو شرفِ مجالست حاصل ہوتا ہے ؎

مجلسِ لیلیٰ کا میں بھی بیٹھنے والوں میں ہوں

بس فراغتِ قلبی کے حصول کی کوشش کرنی چاہیئے ہزاروں عنوان سے تجلیات الٰہیہ کا مشاہدہ کروگے اور فراغتِ قلبی کے میسر ہوجانے کے بعد عالم کائنات کے سب مشاہدات اور مناظر معاون ہوجاتے ہیں ذکرِ قلبی ہو پھر آسمانوں کی چیزیں اور زمین کی چیزیں، عالمِ تعلقات، دوست احباب، ناگواریاں خوشگواریاں سب تجلیاتِ الٰہیہ ہیں اور ہزاروں نعمتیں مشاہدہ ہونے لگتی ہیں ۔ ہماری تمام ظاہری اور باطنی قوتیں، ہمارے تمام احساسات، ہمارے تمام حواس میں سے ایک ایک حس تعلق مع اللہ کا ایک ذریعہ بن جاتی ہے اور حجابات اٹھ جاتے ہیں ۔

ماضی و مستقبل، خوف و رجاء

مومن کی ساری زندگی خوف و رجا کے درمیان گزرتی ہے ۔ ہمارے حضرتؒ رجا کو غالب کرتے تھے اور خوف کو مغلوب فرماتے تھے کیونکہ

خوف کا تعلق ماضی سے ہے اور وہ محدود ہے۔ اور رجا کا تعلق مستقبل سے ہے اور مستقبل رحمت کا ہے اور یہ لامتناہی ہے۔

خوف محدود ہے، وقتی اور عارضی ہے۔ وہ اپنے ماضی سے متعلق ہے اور اس میں زیادہ تر اپنا ہی مشاہدہ ہے۔ جتنے اعمال ہیں سب پر خوف ہے۔ زندگیِ ماسبق چاہے کسی طرح بسر ہوگئی ہو خوف ضروری ہے۔ معصیتوں پر تو خوف ہے ہی، عبادات پر بھی خوف ہے کہ ان میں کوتاہیاں ہیں اور وہ ناقص ہیں۔ ان سب کا تدارک ندامتِ قلبی سے اور توبہ استغفار سے ہو جائے گا۔ ایک محدود چیز تھی ختم ہوگئی، ندامت کے ساتھ توبہ کر کے سیدھے راستہ پر آگئے، اعمال میں رسوخ پیدا ہو چلا بس خوف اپنا کام کر گیا۔

اب مستقبل رحمت کا ہے اور وہ لامتناہی ہے۔ ماضی کی طرف ایک سرسری نظر ڈال کر اللھم اغفرلی کہہ لو اور رحمتِ لامتناہی کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ اپنا مشاہدہ چھوڑ دو اب ان کی رحمت کا مشاہدہ کرو کہ لذیذ ہی لذیذ ہے بغیر اس کے چاشنی پیدا نہیں ہوگی، محبت کی حلاوتیں نہ ملیں گی۔ جب بھی ماضی کی طرف خوف کی نظر پڑ جائے استغفار کرے۔ اے اللہ معاف کر دیجیے اور آگے بڑھے۔ جیسے ایک شخص ہے کہ بھٹکتا پھر رہا ہے بھیانک جنگل ہے، اندھیری رات ہے، موذی جانوروں کا خوف ہے کہ دفعتہً بجلی چمکتی ہے اور وہ شاہراہ پر آپہنچتا ہے۔ تو اب اسکو اس وحشتناک منظر کا سبق لے کر نہ بیٹھنا چاہیے۔ سرسری طور پر خیال کرے کہ

کہاں سے نکل کر آئے ہیں بڑے دردناک عذاب تھے وہاں ۔ الحمد للہ اب شاہراہ پر آ گئے ۔ بس اب اپنے کام میں لگے شکر ادا کرے اور سفر طے کرے ۔ اب صراطِ مستقیم کی لذت اور حلاوت ملے گی ۔ ع

کرو گے یاد جب باتیں کرو گے

یہ سب حضرت والا کی باتیں بتائی ہوئی ہیں ۔

واقعاتِ زندگی اور تعلق مع اللہ

واقعاتِ زندگی جھنجھوڑ ڈالتے ہیں انسان کو ۔ ویسے ہم ساکن بیٹھے ہوئے ہیں، سامانِ پریشانی ایک بھی بظاہر ساتھ نہیں مگر جن سے وابستہ ہیں ان کے تعلقات کا اثر برابر پڑ رہا ہے : بیوی ایسا کر رہی ہے ، ہمسایہ اس طرح ستا رہا ہے ، دوست احباب چین سے نہیں بیٹھنے دیتے ۔ کسی کا دکھ کسی کی بیماری ، غمِ روزگار طرح طرح کی پریشانیاں ۔ ایسے اوقات میں اگر اللہ میاں بھی ساتھ نہیں ہیں تو پورے بدحواس ہیں ۔ بس کوئی غم رہے اے اللہ اپنی یاد سے غافل نہ ہونے دیجئے ۔ سب دور گزریں گے مگر ان سے تعلق نہ جانے پائے پھر انشاء اللہ یہ تمام چیزیں بھی سرمایۂ آخرت ہو جائیں گی ۔

رجوع الی اللہ کی خاصیت :-

مصائب کے ہجوم میں، جہاد کے ہنگاموں میں صحابہ رض کا دل مطمئن

ہوتا تھا۔ قرب اور تعلق مع اللہ اور قوی ہو جاتا تھا۔ کیسی ہی پریشانی ہو جہاں رجوع کیا تقویت اور قوت آگئی۔ سبحان اللہ۔ اللہ اور رسول کا تعلق معمولی تعلق نہیں، حوصلے بڑھ جاتے ہیں۔ پھر ؎

زمانہ بھر مخالف ہو تو کیا غم
مزاجِ یار تو برہم نہیں ہے

ضعیفی اور ذکر اللہ

ایک اہم کام کو کسی فرصت کے انتظار میں ملتوی کر دینا زندگی کا ناقابلِ تلافی نقصان ہے مگر انسان انجام سے بے خبر ہو کر غفلتوں میں بے کار عمرِ عزیز کو ضائع اور برباد کر دیتا ہے اور اپنے اصلی سرمایہ کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ بڑھاپے کی منزل میں داخل ہو جاتا ہے۔ کمزور، ضعیف، ناتواں اور معطل ہو کر بیٹھ رہتا ہے۔ اب اگر ہوش کبھی آتا ہے تو آنکھیں کام نہیں کرتیں، ہاتھ پیر بیکار، نہ طاقت نہ ہمت کچھ بھی کرنے من نہیں پڑتا ؎

دیکھا تو ہم میں طاقتِ دیدار بھی نہیں

طاقت گفتار بھی نہیں۔ جب یہ انجام ہے تو بھائی پھر کس لئے کل کے ضروری کاموں کو آج کے لئے ملتوی کیا تھا ؎

زندگی نے کر دیا جینے کے ناقابل مجھے
جب ہوئی جینے کے قابل زندگی میرے لئے

یہ وقت تو ایسا تھا کہ سکون، فراغت اور مشاہدہ میں گزرتا۔ ذکر اللہ کا جوانی سے عادی ہونا چاہیے اگر اس سے انس حاصل ہو جائے بڑا سرمایہ ہے؛ اور بڑھاپے کا عجیب سہارا ہے۔ مگر یاد رکھنے کی بات ہے کہ زندگی کسی بھی منزل میں پہنچ گئی ہو، اگر روح عصیان اور طغیان سے مرجھا گئی ندامت کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں آجاؤ، ذکر اللہ شروع کردو روح کو غذا میسر ہو جائے گی۔ ذکر اللہ سے روح تازہ مضبوط اور شگفتہ ہو جاتی ہے۔ جب مومن بوڑھا ہوتا ہے اس کی روح جوان ہو جاتی ہے۔ محبت و معرفت بڑھ جاتی ہے۔ جسم ناقص، اعضا مضمحل ہو گئے ہونے دو کچھ پروا مت کرو۔ یہ تو ہوں گے۔ اسی میں مصلحت اور حکمت ہے۔ مگر ذکر اللہ ! یہ آبِ حیات ہے روح کے لئے ؂

ہر چند پیر و خستہ و بس ناتواں شدم
ہر گہ نظر بہ روئے تو کردم جواں شدم

ضعیفی اور تعلق مع اللہ

انسان بھی کیسے کیسے حالات سے گزرتا ہے۔ عمر زیادہ ہو جاتی ہے تو بڑھاپے کی معذوریاں لاحق ہو جاتی ہیں، دست نگر ہو جاتا ہے دوسروں کا محتاج ہو جاتا ہے، زندگی بے کیف ہو جاتی ہے اور موت کو زندگی پر ترجیح دینے لگتا ہے۔ مگر ؏

حیاتِ جاوداں میری نہ مرگِ ناگہاں میری

انسان کے بس میں یہ بھی تو نہیں کہ مر جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ قوتِ ایمانیہ بڑی عجیب چیز ہے۔ خدا دارم چہ غم دارم۔ مجھے ناز ہے کہ آپ میرے ہیں لا الٰہ الا اللہ۔ یہی چیز سرمایۂ تسکین ہے۔ میرا اللہ میرا ہے، وہ مالک ہیں، حاکم ہیں اور حکیم ہیں جیسے چاہیں حالات وارد کردیں ؎

چارہ سازی کر رہا ہے ان کا لطفِ دل نواز
باعثِ صد عیش ہے یہ بیکسی میرے لئے

یہ بیکسی بڑی عجیب چیز ہے ؎

مجھ کو تو اس مالکِ محبت پہ ناز ہے
آخر نگاہِ رحم کے قابل بنا دیا

حدیث شریف میں ہے کہ ارمیا پیغمبر علیہ السلام کا گزر چند قبروں پر ہوا جن کے مردوں کو عذاب ہو رہا تھا۔ ایک سال کے بعد پھر اُدھر سے گزر ہوا تو عذاب کو سکون ہو گیا تھا۔ عرض کیا اے پروردگار! میں اوّل سال جو ان قبروں پر گزرا تھا تو ان کے مردے معذّب ہو رہے تھے اور اس سال جو گزرا تو عذاب کو سکون ہو گیا۔ آسمان سے ندا آئی: اے ارمیا! ان کے کفن پھٹ گئے اور بال جھڑ گئے اور قبریں ٹوٹ پھوٹ کر بے نشان ہو گئیں۔ میں نے اس حالت میں ان کو دیکھا تو مجھ کو رحم آگیا اور میں یہی معاملہ کرتا ہوں ان لوگوں کے ساتھ جن کی قبریں بے نشان ہو جائیں، جن کے کفن پھٹ جائیں اور جن کے بال جھڑ جائیں۔ دیکھئے شکستگی بے بسی اور گمنامی پر رحم کیا جا رہا ہے۔ ہمارے دادا صاحب نے خوب کہا ہے ؎

سراپا چشمِ حسرت ہے مزارِ رخنہ دار اپنا
کرم فرمائیے بس حد سے گزرا انتظار اپنا

حسنِ خاتمہ کے آثار

حسنِ خاتمہ پر گفتگو کے سلسلہ میں فرمایا کہ حسنِ خاتمہ بڑی اہم چیز ہے اس کے آثار اگر معلوم ہوں تو شکر ادا کرے: جیسے شام کا دھندلکا ہو، جنگل ہو آبادی معلوم نہ ہو کہ کہاں ہے اور ایک مسافر ہے کہ ابھی منزل پر نہیں پہنچ پایا مگر دور سے اسے ایک روشنی نظر آئی تسکین تو ہوئی کہ آبادی قریب ہے۔ اسی طرح حسنِ خاتمہ کی علامات اگر نظر آنے لگیں تو تسکین تو ہوتی ہے۔ اور منجملہ علامات کے یہ بھی ہے کہ سیدھے راستہ پر ہیں، رجحان نیکی کی طرف ہے، فرائض و واجبات بھی ادا ہو رہے ہیں، بزرگوں کی صحبتیں بھی ہیں، حسنِ خاتمہ کی تمنا اور خواہش بھی ہے، اللہ میاں سے حسنِ ظن بھی ہے۔ دل میں بغاوت اور طغیان بھی نہیں۔ نفس و شیطان کے قبضہ میں بھی معلوم نہیں ہوتے، معصیت کی طرف تقاضائے شدید اور رجحانِ قوی بھی نہیں۔ جب یہاں یہ چیزیں عطا فرما دیں اپنی رضا کی، توقع رکھے آخرت میں اللہ تعالیٰ کرم ہی فرمائیں گے۔

قابلِ ترکِ صحبت

جاہ پرست پیروں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جس کی صحبت میں اللہ اور اللہ کا رسولؐ یاد نہ آئے، اپنی حالت مستحضر نہ ہو، اپنی گندگی نظر نہ آئے۔ غیر مقصود میں انہماک بڑھ جائے اور حبِ جاہ میں ترقی ہو ایسی صحبت خود قابلِ ترک ہے ورنہ اس پہاڑ کی بلندی سے فائدہ بتادو کیا ہوگا۔

اگر اس میں یہ صفت ہے کہ میری زندگی میں صحیح تغیر پیدا کردے تو ایک بات ہے ؎

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

میں جس آزار میں مبتلا ہوں اس کا ازالہ ہوجائے، اپنی پستیاں اور عیوب نظر آنے لگیں۔ اگر ان شعبدوں سے ایسا ہوجائے تو کچھ بات ہے اور جو خود ہمالیہ پہاڑ بنا ہوا اپنی بلندیوں میں مستغرق ہو وہ پستیوں کی طرف کیا التفات کرے گا۔

اہلِ حق اور اہلِ باطل میں ایک فرق

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ سوائے اہلِ حق کے کوئی ادھیڑ بن میں نہیں ہوتا۔ یہ عقائد میں تو مطمئن ہوتا ہے کیونکہ یہ صحیح، مستند اور پختہ ہیں۔ اور اعمال میں غیر مطمئن ہوتا ہے کیونکہ ان کو ناقص اور کوتاہ سمجھتا رہتا ہے۔

یہ عقائد میں اعمال ڈھالتا ہے۔ وہ صحیح عقائد کے مطابق مستند اعمال میں کوشاں ہے۔ حضورؐ کے اور صحابہؓ کے معیار پر ان کے اعمال کی نقل کرتا ہے اور یہ بنتے نہیں۔ نقائص اور کوتاہیاں کہیں نہ کہیں رہ جاتی ہیں اس لئے غیر مطمئن ہے۔ عمل کرتا ہے اور پھر ڈرتا ہے اور توبہ استغفار کرتا رہتا ہے؎

فرس گشتہ از بس کہ شب راندہ اند   سحرگہ خرد شاں کہ واماندہ اند

اور اہلِ باطل عقائد میں کمزور اور اعمال میں مطمئن ہوتا ہے۔ وہ اعمال میں عقائد کو ڈھالتا ہے اور اعمال ہیں غیر مستند لہٰذا عقائد بھی اور فاسد ہوتے چلے جاتے ہیں۔ پھر اس کے اعمال ہوتے ہیں نفس کی خواہشات کے مطابق لہٰذا آسان ہیں اور اپنے من گھڑت معیار پر وہ اعمال صحیح اُتر آتے ہیں اس لئے مطمئن ہے۔ وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا۔

عزت وذلت کا مدار

فرمایا کہ ذلت وخواری تو اپنے اعمال واختیار کی ہے۔ دوسرے کے اعمال سے اپنی کیا رسوائی؎

سنگِ بدگوہر اگر کاسۂ زریں بشکند
قیمتِ سنگ نیفزاید و زر کم نشود

تاثر ہو جانا اور چیز ہے، عمل اور چیز ہے۔ وہ اُسی کا عمل ہے ہمارا عمل نہیں۔ دوسرے کے بُرے لب ولہجہ سے اذیت تو پہنچ سکتی ہے مگر عزت میں

کوئی فرق نہیں آتا۔ بلکہ اگر صبر کر گئے تو عنداللہ مزید عزت افزائی کی امید ہے کہ عالمِ تعلقات میں غصہ کا رذیلہ جو بیدار ہو گیا تھا بے جگہ اس کو مشتعل نہ ہونے دیا، دبا دیا۔

ترقیٔ دنیا کی حقیقت

دنیا کی ترقی کا تذکرہ ہو رہا تھا کہ ڈاکٹر صاحب نے یہ شعر پڑھا اور سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا ؎

سب کچھ ہے تری انجمنِ ناز میں لیکن
کوئی جو نہیں نالہ بلب کچھ بھی نہیں ہے

پھر فرمایا کہ بندہ لاکھ ترقی کر جائے، مالک کی فرمانبرداری اگر نہیں ہے تو سب ہیچ ہے۔ عنداللہ اس کی کوئی قیمت نہیں بلکہ عذاب کا سبب ہے۔ اور ایک عجیب راز ہے کہ جو کچھ اس عالم میں ہے سب انسان کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ سب قوتیں اس کو عطا کی گئیں مگر دو ازلی دشمن نفس و شیطان بھی اس کے ساتھ بھیج دیئے گئے۔ عقل دیدی گئی، دو راستے بتا دئے گئے، طاقتیں دیدیں، تسخیر کا حوصلہ دے دیا، اب کرد صرف اپنی اپنی طاقتوں کو دیکھنا یہی ہے کہ اللہ کے لئے کرتے ہو یا نفس و شیطان کے لئے۔

انسان تو مظہر ہے عالمِ کائنات کا اور یہ ترقیاں جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں سب اس کی قوتوں کا مظاہرہ ہے۔ یہ تو روزِ ازل سے ہی تمام قوتوں کو

لے کر چلا تھا۔ جب ان قوتوں کو بڑھا لیتا ہے تو ہوا، آگ، پانی سب کو قابو میں لے آتا ہے اور اپنے ذوق کے مطابق ان عناصر سے کام لیتا ہے۔

پہاڑوں پر چلنے کی، چاند پر پہنچنے کی، سمندر کی گہرائیوں میں اتر جانے کی اللہ تعالیٰ نے اس کو قوت دی ہے ورنہ اس کی مجال نہ تھی کہ یہ کام کر سکے۔ عالمِ اسباب میں اور اک اللہ میاں ہی تو دیتے ہیں۔ دراصل یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت کے کرشمے اور نشانیاں ہیں کہ انسان سے ایسے ایسے کام کروائے کیا اب بھی انکار کر دو گے ؟۔ سو مالک سے باغی ہوتے ہوئے یہ ترقیاں وجہ کمال نہیں ہو سکتیں اور یوں تو یہ عالمِ اسباب ہے جو بھی اسباب کا علم حاصل کر لے، ان کو جمع کر لے، کافر ہو یا مسلم ترقی کر لے گا۔ قوتیں اس کے پاس پہلے سے موجود ہیں جس طرح چاہے ان چیزوں کو کام میں لے آئے۔ اصل چیز یہ ہے کہ اپنی بندگی کا استحضار رہے قوتیں دیں اور پھر حکم ہو رہا ہے کہ مانگو ہم سے مدد، کہو ایاک نعبدُ وایاک نستعین۔ کمال تو یہی ہے کہ قوت کا احساس ہو اور نشہ نہ ہو، اپنے اختیار کا مشاہدہ ہو اور اس کو مالک کے سامنے ضعیف سمجھتا رہے۔ قوتِ متخیلہ اور متصرفہ دی گئیں پھر حکم ہوا جھکو ہمارے آگے۔

یہ سب ہنگامہ آرائی اُسی طرف سے ہے۔ وہ جس زمانے میں جہاں چاہتے ہیں ان قوتوں کا مظاہرہ کرا دیتے ہیں : ایک زمانہ تھا کہ انسان نے مصوری میں کمال حاصل کیا تھا۔ آج عکاسی میں کمال حاصل کئے ہوئے ہے۔ مگر ہمارے لئے کمالِ مصوری اور کمالِ عکاسی یہ ہے کہ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کا کامل اتباع ہو جائے۔ دین اور دنیا کی ترقیاں سب اسی میں مضمر ہیں اور پھر تم ایمان سلامت لے جاؤ یہ سب میں بڑا اجر ہے، ساری ترقیاں اس کے آگے گرد ہیں۔

اپنے جذبات کو سنت کے تابع کرنا اصل کمال ہے

ایک جگہ ہم گئے تو ایک صاحب نے جو مزاج میں بہت رقیق القلب ہیں نماز پڑھائی دعا مانگتے وقت خوب روئے اور بڑی طویل دعائیں مانگیں۔ فراغت کے بعد میں نے کہا سب ٹھیک ہے مگر مسنون طریقہ نہیں۔ جو طریقہ مسنون ہے چاہے اس میں رقت ہو یا نہ ہو وہی ٹھیک ہے یہ تو اپنے جذبات کے تحت مقتدیوں کو محبوس رکھنا ہے۔ ایک دفعہ آپ کو تو رقت ہوئی اور دوسرں کو زحمت ہو گئی ــ!

دینی اور اخلاقی اقدار کی حفاظت ضروری ہے

اکثر لوگ آج کل کہہ دیتے ہیں کہ "اس میں کیا حرج ہے"، ناول کے پڑھ لینے میں کیا حرج ہے، فلاں کام کر لینے میں کیا حرج ہے۔ بھئی ایک دفعہ سوچ لو کہ اس کا انجام کیا ہو گا؟ اگر فہم سلیم باقی ہے خود تمہاری عقل فیصلہ کر دے گی کہ حرج ہے یا نہیں ــ مگر حظِّ عاجلہ بدحواس اور غافل بنا دیتا ہے۔

مآل کو سوچنے کا موقع نہیں ملتا۔ حواس ٹھیک نہیں تو سوچ سکے کیا؟
وہی سوچو گے جو دل میں ہے اور جو حال بھی غالب ہے۔

حسنِ خاتمہ کی فکر میں لرزاں ترساں رہنے کی وجہ

حسنِ خاتمہ تمام دینی امور کا حاصل ہے۔ مدتوں ایک اشکال رہا۔ خیال ہوتا تھا کہ حسنِ خاتمہ کونسی مشکل بات ہے۔ لا الٰہ الا اللہ کا ہم تکرار کرتے ہیں اس پر انشاء اللہ ہم قائم رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم تمہارے گمان کے ساتھ ہیں۔ ہم گمان بھی رحمت و مغفرت کا رکھتے ہیں۔ معاصی گناہ اور جو غفلتیں ہیں ان سے توبہ استغفار بھی کرتے ہیں۔ جب یہ تمام چیزیں موجود ہیں پھر ڈر کس بات کا؟ پھر یہ ہمارے بزرگ لرزاں ترساں کیوں رہتے ہیں!

کبھی سمجھ میں نہ آیا مگر الحمد للہ آج حقیقت سمجھ میں آرہی ہے کہ حالت بدل جانے کا خوف ہر وقت اور ہر مقام پر رہتا ہے۔ دو چیزیں سالک کی دشمن ہیں، نفس و شیطان۔ کچھ معلوم نہیں کہ چلتے چلتے عمر کے کسی حصّہ میں وسوسہ ڈال دے اور نہ جانے کس عنوان سے سمجھا دے کہ میاں کیا ہے پلّے ہکورے ہی جا رہے ہو! دعائیں مانگتے ہو نا کافی ہوتی ہیں کتنی دعائیں قبول ہوئیں؟ ارے کہاں جا پھنسے فلاں بزرگ کے پاس!! بزرگوں سے شکایتیں میں مبتلا کر دے۔ آپ چلے جا رہے ہیں اور یہ جیب کاٹتا

چلا جا رہا ہے۔ سارے سرمایہ پر ہاتھ صاف کر دیتا ہے اور گھن کی طرح لگ جاتا ہے۔ جب دشمن موجود ہیں اور حالت بدل جانے کا خوف ہر مقام پر ہے تو پھر ناز کس بات کا اور اطمینان کیسا ؟

دوسرے یہ کہ ثمرات باطن آہستہ آہستہ مرتب ہوتے ہیں۔ سالک کو سب کیفیتیں شروع ہی سے کچھ نہ کچھ کسی نہ کسی درجہ میں ملتی ہیں مگر غلبہ اپنے اپنے موقعوں پر کبھی خوف کا ہوتا ہے کبھی رجاء کا کبھی خشیت کا۔ اور یہ سب مقامات راستہ چلنے ہی سے طے ہوتے ہیں۔ اب سالک نے قدم اُٹھایا ہے، مقامات طے کر رہا ہے لیکن ہر مقام کا منظر جداگانہ ہے خشیت کسی نہ کسی درجہ میں ہوتی تو ہے ہر مقام پر مگر جب منزل قریب آتی ہے ایمان کی دولت کا احساس شدید ہو جاتا ہے تو خشیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

علم کے درجہ میں تو ہم سب میں خشیت موجود ہے مگر ان بزرگوں جیسی نہیں۔ یعنی ہم اس مقام پر نہیں پہنچے۔ وہ مقام آیا نہیں۔ جب آئے گا تھر تھرانے لگو گے۔ اور یہ بزرگ مقام خشیت تک پہنچے ہوئے ہیں اس لئے ایسی دعائیں کرتے ہیں۔ مبتدی کے قدم چل تو رہے ہیں اسی طرف لیکن ابھی اس مقام کے آثار مرتب نہیں ہوئے۔ وہ مقام دور ہے۔

جو لوگ لرزاں ترساں رہتے ہیں حسن خاتمہ کی فکر میں انھوں نے قدم رکھ دیئے ہیں خشیت کے اُس مقام میں۔ خشیت کے جذبے پوری طرح ابھرنے لگے ہیں۔ اس مقام کی خاصیت ہی یہ ہے کہ خشیت

پیدا ہو جائے۔ حالانکہ ان بزرگوں کے پاس ساری چیزیں موجود ہیں، طہارت، توبہ استغفار، علمِ دین، معارف و حقائق، عمل، نفس و شیطان کے مکائد سے واقفیت، کیا چیز رہ گئی جو ان کے پاس نہیں۔ بڑے بڑے صوفی اور تعلق مع اللہ والے ہیں مگر خشیت کا یہ عالم کہ تھر تھرا رہے ہیں۔ دراصل یہ لوگ منزلِ قرب کے قریب آگئے اسی وجہ سے لرزاں ترساں ہیں ؂

اک کھٹک ہوتی ہے محسوس رگِ جاں کے قریب
آن پہونچے ہیں مگر منزلِ جاناں کے قریب

حسنِ خاتمہ فعلِ اختیاری ضرور ہے مگر ڈرنے کی ایک وجہ ہے

آج دروازوں پر بلیچنگ (BLEACHING) اور وارنش ہو رہی ہے میرا ذہن اس سے حسنِ خاتمہ کی طرف منتقل ہوا۔ ایک بات جس کو ہم پچاس عنوان سے سوچ چکے ہیں یہ ہے کہ حسنِ خاتمہ اختیاری ہے یا غیر اختیاری، یقیناً اختیاری ہے۔ کیونکہ ایمان اور عملِ صالح کے ہم مکلّف ہیں اور اسی پر مدار ہے حسنِ خاتمہ کا۔ خود اللہ تعالیٰ اس کا امر کر رہے ہیں، ولا تموتن الا وانتم مسلمون اور نہ موت آئے تم کو مگر کامل اسلام کے ساتھ اور ہر مامور بہ فعلِ اختیاری ہے پھر ڈر کیوں ہے؟ اس وقت الحمدللہ ہم سب مسلمان ہیں، دل پر توحید کا رنگ غالب ہے۔

اب ڈرنے والی چیز جو ہے وہ یہ ہے کہ خدانخواستہ کوئی عمل ہم سے ہی بااختیار خود ایسا سرزد نہ ہوجائے جس سے یہ سب رنگ اُڑ جائے۔

جس طرح دروازوں پر کبھی پالش ہوئی تھی مگر بے احتیاطی نے غفلت نے، وقت کے امتداد نے، موسموں کے تغیر و تبدل نے، ہوا نے، دھوپ نے بارش نے سب رنگ و پالش ختم کردیا، لکڑی ہو بالکل آیا، بُرے معلوم ہونے لگے ــــ اسی طرح ہم نے بھی توبہ کی، تقدس اختیار کیا، ایک رنگ توحید کا چڑھایا ہے اپنے دلوں پہ۔ اس دل پہ بھی مختلف احوال گذرتے ہیں، کبھی بہار ہے، کبھی خزاں، جلدی جلدی تغیر ہوتا رہتا ہے۔ کس موسم میں اور کن حالات میں نہ جانے کیسے چھینٹے پڑ جائیں کہ یہ رنگ اڑ جائے! معلوم نہیں ہمارے پاس اس کا استحکام کیسا ہے!! خدا جانے کس چیز کی تیز شعاعیں اس پہ پڑ جائیں اور یہ ان کو بااختیار خود جذب کرے، رنگ بگڑ جائے اور مالک کی نظرِ دل سے گر جائے۔

الحمدللہ ایک تسکین کی چیز سمجھ میں آئی کہ سالک قبض و بسط سے گزرتا رہتا ہے، نفس و شیطان ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ شدتِ بسط میں اگر انبساط غالب آگیا تو ناز کا خطرہ ہے۔ اور شدتِ قبض میں اگر مایوسی چھاگئی تو یاس کا خوف ہے۔ لہٰذا دنیا سے اگر ناز کے عالم میں جارہے ہیں تب بھی برا اور یاس کی کیفیت میں جارہے ہیں تب بھی مضر۔ بس سالک محتاج ہوا شیخِ کامل کا، بسط و قبض میں اعتدال کے لئے شیخ کی توجہ کی ضرورت پڑی۔ جس پر دونوں حالتیں شیخ کے سامنے گزر گئیں اس کو اندیشہ نہیں۔

قبض وبسط کے اثرات تو شیخ کے بعد بھی مرتب ہوں گے، خیال تو ہوگا مگر یاس انگیز اور ناز پرور نہ ہوگا۔

اور عافیت ہمارے شیخ کے مسلک میں ہے۔ حضرتؒ مجدد ہیں اس فن کے۔ ہمیں بچا لیا قبض وبسط کی شدتوں سے۔ مجاہدات اور ریاضتوں کو حذف کر دیا۔ ارے بھائی عامیانہ زندگی بسر کرو، مقصود کو دیکھو کہ کیا ہے چلے کھینچ کر ریاضتیں کر کے بہک جاؤ گے، کیفیات کا تحمل نہ کر پاؤ گے، کوئی راستہ بتلانے والا کامل شیخ نہ ملے گا اور بھٹک جاؤ گے۔

ہمارے حضرتؒ نے محفوظ کر دیا ان گھاٹیوں سے جہاں شدید قبض وبسط طاری ہوتے ہیں، تمہاری خانقاہ تمہارا گھر ہے، مسجد ہے، تمہارے تعلقات ہیں بازار ہے، تمہارے معاملات ہیں۔ احکامات ہر حالت کے لئے ہیں، شریعت نے ہر حالت سے تعرض کیا ہے، ہر مقام پر شریعت کا حکم ملے گا۔ بس تعمیل حکم کو مقصود سمجھتے رہو، کرتے رہو اور بڑھتے رہو۔ اللہ اللہ خیر صلا۔ فرمانبرداری پر شکر بجالاؤ، ناگواری پیش آئے صبر کر لو، اور کوتاہی ہو جائے تو اللّٰھمّ اغفر لی کہو اور آگے بڑھو۔ ریاضات اور مجاہدات سے اپنی زندگی کو خصوصیت کا رنگ دے کر کیوں عجب میں گرفتار ہوتے ہو۔ بس عامیانہ زندگی بسر کرو۔ ایک عامی آدمی پر کیا قبض وبسط طاری ہوں گے، طاری تو ہوں گی یہ کیفیتیں مگر نہ اتنی شدید کہ حالت کو الٹ پلٹ کر دیں۔ اور یہ قبض وبسط بھی اگر شیخ کے دامن میں گزر جائیں تو پھر نہ قبض پر اندیشہ اور نہ بسط پر۔ بلکہ یہی قبض وبسط ہیبت اور انس ہو جائے گا۔ یا نہیمہ حسنِ خاتمہ

پر اطمینانِ کلی نصیب نہیں ہو سکتا۔ اور یہ تو مرتے دم تک رہے گی ؎

بہت عنوان سوچے اور بہت خاکے بنا ڈالے
مرتب ہو سکا لیکن نہ اب تک دل کا افسانہ

امانت کو لے کر حضور میں پہنچ جائیں پھر اطمینان ہی اطمینان ہے ؎

ایمان چو سلامت بلبِ گور بریم
احسنت بریں چستی و چالاکیٔ ما

تجدیدِ سلاسل اور مسلک تھانوی

حضرت والا کی مجددیت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت ذاکر و شاغل ہونا ہی تو مقاصد سے نہیں۔ تہجد پڑھ کر اور ذکر اللہ سے تم نے نور حاصل کر لیا بہت اچھا ہے مگر بھائی اس نور کا مصرف بھی کچھ ہے؟ ذکر اللہ سے تاریکیاں دور ہو گئیں، ظلمتیں چھٹ گئیں، حقوق و حدود سامنے آ گئے، گندی اور پاکیزہ چیزیں اپنی اپنی جگہ پر نظر آنے لگیں، اب کیوں گندی چیز کو اٹھاتے ہو؟ اور اگر غلطی سے اٹھا لیا تو اب کرو ذکر اللہ، پھینک دو اس کو، پھر ہاتھ دھو لو۔ تقاضائے بشریت سے اگر غصہ آ گیا تو اب کیوں انتقامی جذبہ کو لئے بیٹھے ہو؟ اس گندگی سے توبہ تو کر لو۔ یہاں دکھاؤ ذکر کا اثر۔

مقصود تو اللہ کی بندگی ہے۔ تو کیا صرف تہجد کے وقت اللہ کے بندے تھے اب بندے نہیں ہو؟ تہجد میں اٹھ کر ذکر اللہ سے بھی تو مقصود

یہی ہے کہ یہ ہمارا بندگی کا تعلق اللہ سے مضبوط ہو جائے۔ صبح کو عالم تعلقات میں آکر یہ اتنا کمزور ہو گیا کہ معاملات خراب، گفتار میں ایک شیخی، رفتار میں ایک ناز! ذرا غور تو کیجئے کہ آخر قصور کہاں پر ہے۔ یہ کیفیتیں نازکی ہی کیسی ہیں ؟!

حضرت والا کی مجددیت

ہمارے حضرتؒ نے سب بھانڈا پھوڑ دیا رسمی خانقاہیت کا۔ ارے نکلے تو اس لئے تھے کہ اللہ کے راستہ میں چلیں گے، نفس کی پگڈنڈیوں پر ہو لئے۔ اس مجددیت نے فرمایا کہ ہم وہ راستہ ہی نہیں بتلائیں گے جہاں تم نفس و شیطان کے بہکائے میں آجاؤ۔ صاف راستہ بتلائیں گے۔ مجاہدات کرو گے حالات وارد ہوں گے کمال سمجھنے لگو گے بدعات میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ فسق و فجور سے توبہ کی توفیق ہو سکتی ہے مگر بدعات سے خواہ ظاہر کی ہوں یا باطن کی توبہ کی توفیق سلب ہو جاتی ہے۔ ہمارے حضرتؒ نے جس طرح شریعت کی بدعات کو مٹایا اسی طرح طریقت کی بدعات کو ختم کیا اور چاروں سلسلوں کی تجدید فرمائی اور وہ باتیں بتلائیں کہ رسم پرست جو اہل خانقاہ ہیں شاید ایک قدم بھی ان پر نہ چل پائیں۔

ہمارے حضرتؒ چاروں سلسلوں میں بیعت کرتے تھے مگر نہ کسی سلسلے کی وہاں کوئی روایت تھی نہ رسم، نہ تعلیم و تربیت کے وہ انداز تھے۔ حلقے توجہ، اذکار اور مقررہ اوراد نہ چشتیوں کے تھے نہ نقشبندیوں کے۔ جب روایات اور رسومات کسی بھی سلسلے کی نہیں تھیں تو پھر حق کیسے ادا ہوا۔ چاروں سلسلوں کا — ؟ حق یوں ادا ہوا کہ چاروں سلسلوں کو

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار سے براہِ راست منسلک کر دیا۔ اس دربار کی تعلیمات سے کس کو انکار ہو سکتا ہے سوائے معاندین کے۔

حضورؐ کی مجلس میں آ جائیے سب فیصلہ ہو جائے گا، کھوٹا کھرا معلوم ہو جائے گا۔ اور یہاں آ کر سب سے پہلے تو اپنے عقائد درست کرا لو اور خود رائی اگر رائی کے برابر بھی ہو تو اس کو پہلے ٹھکانے لگا دیجئے ورنہ مجلس سے اُٹھا دیئے جاؤ گے اور نکال دیئے جاؤ گے اس کے بعد پیش کرو اپنے حقائق اور معارف کو۔ پیش کرو وحدۃ الوجود کو۔ کیا سمجھے۔

وحدۃ الوجود ایک مرتبہ ہمارے حضرتؒ نے وحدۃ الوجود پر ایک مختصر سی تقریر کر کے فرمایا کہ وحدۃ الوجود یہ ہے کہ میاں ہیں اور ہم ہیں اور کوئی نہیں۔ ارے غفلت وجود ہم کو دیا ہے کیا اسے بھول جاؤ گے۔ ’’ اے معبودِ حقیقی تیرے سوا کوئی نہیں ‘‘ یہ بات کون کہہ رہا ہے، ہمیں تو کہہ رہے ہیں۔ میاں سیدھا راستہ اختیار کر لو اور سیدھا راستہ یہ ہے کہ تعمیں حلم میں اپنے کو مٹا دو اور نادم رہو کہ کچھ نہ کر پائے اور شکر کرو کہ بلا بو دسے اگر ایں ہم نہ بودسے۔ جب نادم اور بیکس ہو کر آتے ہیں اللہ کے سامنے کہ اے اللہ! میرے تمام وسائل ہیچ ہیں، بس آپ ہی ہیں جو کچھ ہیں۔ اپنی بے کسی، بے بسی، بے چارگی کا اظہار کر رہے ہیں۔ یہی سب وحدۃ الوجود ہے ہمارے اور آپ کے لئے۔ انسان کا کمال یہ ہے کہ عبدیت پیدا کرے اور سارا زور حضرت کے یہاں اسی پر تھا کہ بندے بن جاؤ۔

مجاہدے اور کیفیات ہم اس ہنگامی دنیا میں پریشان، بدحواس

ہیں اور پھر نہ تلاش ہے نہ صحبت، علوم کا فقدان، فرصتیں کم عمریں محدود، اور مجاہدات کا یہ خاصہ کہ کیفیات ضرور پیدا ہوں گی۔ اس میں مسلمان کی تخصیص نہیں، کسے باشد، کافر ہی کیوں نہ ہو۔ ہمارے حضرتؒ دیکھ رہے تھے کہ ڈھونڈو گے بھی تو ایسے اللہ والے میسر نہ آئیں گے جو ان عجب، پندار، ناز اور یاس کی گھاٹیوں سے تمہیں نکال لیں۔ نکلو اس گمراہی سے۔ نہ مجاہدے مقصود نہ ان سے پیدا شدہ کیفیتیں قابلِ التفات۔

روحانی کیفیات

صحیح تعلیم دیکھو کہاں ہے۔ اسمیں اصلی چیزیں، سچے احوال اور روحانی کیفیات ملیں گی جن کی لطافت اور پائداری کے سامنے ان نفسانی کیفیات کی کچھ بھی حقیقت نہیں — نماز ترک نہیں کر سکتے سمجھئے کہ روحانی کیفیت حاصل ہے۔ کسی تقریب کی شرکت میں ترکِ واجب کے احتمال سے ایک کھٹک محسوس ہو رہی ہے یہ روحانی کھٹک ہے۔ روح کی لذت اس میں ہے کہ اعمالِ واجبہ کی پابندی ہو جائے۔ اور ترک تو بڑی چیز ہے ترک کا خیال ہی کر کے دیکھئے اندر سے کوئی چیز بے چین ہو جاتی ہے۔ یہ بے چینی بتلا رہی ہے کہ روحانی لذت دواماً حاصل ہے۔ جس طرح نفس نہیں چاہتا کہ اس کی غذا نہ ملے روح بھی نہیں چاہتی کہ اس کی غذا بند ہو جائے۔ اور روح کی غذا اس میں ہے کہ تعمیلِ حکم ہو جائے، فرض و واجب ادا ہو جائیں یہ ان کے ترک کو برداشت نہیں کر سکتی یعنی دواماً ہم پر یہ خیال مسلط ہے اور یہ حال طاری ہے کہ کوئی واجب چھوٹنے نہ پائے تو روحانی کیفیت اور روحانی لذت دواماً ہم کو حاصل

ہے ۔ نماز کو اس وقت طبیعت نہیں چاہتی اور نفس مزاحمت کر رہا ہے مگر اسی جسمانی کسل اور نفسانی بے کیفی میں نماز کو ادا کیا۔ اب دیکھئے روح کو کیسا سکون اور کیسی لذت نصیب ہوئی۔ یہاں پر جسمانی اور نفسانی لذت کی نفی کے بعد روحانی لذت ثابت ہے۔

شیطان کا ایک فریب

سارے مجاہدات فرض و واجب کی ادائیگی ہی میں آجاتے ہیں۔ مزید اختراعی مجاہدوں کی ضرورت ہی کیا ہے؟ کوئی کرے تو دیکھے۔ مگر تم نے تو لذت دکیفیت کا معیار ہی غلط قائم کیا۔ دراصل شیطان اُسی رنگ میں گمراہ کرتا ہے جس رنگ کا وہ انسان ہوتا ہے۔ ان غیر مقصود مجاہدوں سے وہ چاہتا ہے کہ یہ شخص جو اللہ کے راستہ میں چلا ہے کیفیات کے ذریعہ سے اس میں ناز کی لہر پیدا ہو جائے۔ عجب اور پندار میں گرفتار ہو کر میرے ہی رنگ میں ڈوب جائے اور خود کو صحیح راستہ پر سمجھتا رہے۔

احوالِ صادقہ

روح کی تشنگی کا تقاضا یہ ہے کہ تم اپنے اندر دین کی طلب پیدا کرو اور اہلِ علم سے مشورہ کرتے رہو یہ ثبوت ہے روح کی کھٹک کا اور برابر کام میں لگے رہو بس یہ عمر بھر کا سرمایہ ہے۔ پھر ان احوالِ صادقہ کے سامنے نہ جوش و خروش کی کوئی حقیقت ہے نہ کیفیات کی نہ احوال و مواجید کا کوئی درجہ ہے نہ انفعالات کا۔ کیسے ہی انقلابات آجائیں اور حالات گزر جائیں دنیا بدل جائے نفس و شیطان کیسے ہی عنوان سے روکیں تم حکم کی تعمیل کرتے رہو۔ اسی سے سب حقائق اور معارف منکشف

ہو جائیں گے۔ یہاں تو حکم کی تعمیل ہی اصل کمال ہے۔ اتباع کرتے رہو اسی میں کیف و نشاط ہے۔ یہی مجاہدہ اور تزکیہ ہے۔ یہی عبدیت اور محبوبیت ہے، اسی میں صبر بھی ہے اور شکر بھی۔ تسلیم و رضا بھی اور توکل بھی، اور سارے مقامات طے ہو جائیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں لیکن یہ اتباع بلا شرط و قید ہونی چاہیے۔ اعتقادات اور عبادات میں بھی معاشرت اور معاملات میں بھی اور اخلاق میں بھی۔

معاشرت اور سلوک

انسانوں کو چھوڑ کر کہاں چلے جاؤ گے، معاملات سے کیسے بچ سکتے ہو، کیا قیمت اس قول کی کہ میری روح آسمانوں پر پرواز کر گئی۔ زمین پر اتر کر دکھایئے اپنے جوہر۔ آپ زمین پر رہیں یہیں کی سیر کریں۔ فرائض و واجبات سامنے ہیں، حقوق ہیں عرش و کرسی سے کیا مطلب۔ اپنے کسی استاد کی ایک حکایت ہمارے حضرت والا نے بیان فرمائی ہے۔ باہر سے آئے، بیوی نے کھچڑی پکائی تھی سامنے رکھدی۔ کھائی تو نمک کڑوا۔ جی میں آیا کہ اٹھا کر پھینکدیں۔ مگر عرفان کی ایک جھلک آئی کہ بچاری نے جان کر تو ایسا کیا نہیں، غلطی ہوگئی۔ پھر میں اللہ سے کس منہ سے معافی مانگوں گا اگر اس کو معاف نہ کروں گا۔ سہواً ہو گیا عمداً تو کیا نہیں۔ بس میرے مقدر میں یہی ہے اس لئے اسی کو کھا لینا چاہیے۔ یہ ہے ہماری عرش و کرسی کہ ایک زمین کے رہنے والے نے اتنی اونچی بات سوچ لی۔ یہی تو دیکھنا ہے کہ اس عالمِ تعلقات میں آپ کی ذات سے کسی کو تکلیف تو نہیں پہنچ رہی،

آپ مخلوق کے لئے وجہ اذیت تو نہیں بن رہے ہے۔ ہمارے حضرتؒ فرماتے تھے کہ کسی کو کسی سے تکلیف نہ پہنچے کل سلوک ہے۔ اللہ کے اور اس کی مخلوق کے حقوق حسن و خوبی کے ساتھ ادا ہو جائیں یہی تو سلوک ہے اور سلوک میں کیا رکھا ہے۔

عامِ تعلقات اور پاسِ انفاس

ہمارے حضرتؒ نے پاس انفاس کے معنی سمجھائے کہ فکر و تامل کا نام ہمارے یہاں پاسِ انفاس ہے۔ آدمی سوچے کہ یہ چیز مجھے چھوڑنی چاہئے یا نہیں۔ زبان سے کوئی بیجا لفظ نکل گیا تو فکر لگ جائے۔ توبہ کی طرف توجہ ہو۔ کہیں ناگواری پیش آئی تاثر ہوا تو سوچے کوئی زیادتی تو نہیں ہو گئی۔ یا اللہ دل میں کدورت نہ آنے پائے یا اللہ جس سے مجھے ناگواری پیش آئی اسے معاف کر دیجئے۔ یہ پاسِ انفاس بھی کر کے دیکھئے ترقی ہوتی ہے یا نہیں۔

بندہ نواز یہ نفس کہاں کہاں بھٹکتا ہے ذرا تامل کے بعد ایک نظر تو ڈالنے ناگواری پیش آگئی تھی تو اب کیوں غصے کے تاثرات لئے بیٹھے ہو توبہ توکرنو اس گندگی سے۔ تھوڑی دیر مراقبہ کر لیتے یا اللہ بڑی نادانی ہوئی ... دوازدہ تسبیح کا اثر یہاں دکھلانے کی ضرورت تھی۔ ارے اس وقت پڑھو۔ "اللہ حاضری، اللہ ناظری" یہ ہے مجاہدہ۔ اب وقت آیا تھا درویشی کے جوہر دکھانے کا۔ دھبہ آگیا، دھو لو یہ وقت ہے دھونے کا۔ اور کب پاک کرو گے؟ یہ وقت ہے پاسِ انفاس کا، احسان کے درجے کا وقت یہ ہے۔ جوش آگیا اس زندگی میں کیا کریں؟ توبہ کر لو، تحقیہ تو نہیں رہ گئی

دل ہیں۔ دل کو صاف کر لو۔ حضرت سارے مقامات باطن کے یہیں طے ہو جائیں گے۔

مصرفِ بزرگی جزوِ اعظم ہماری انسانیت کا یہ ہے کہ کسی کو ہم سے تکلیف نہ پہنچے اور انسانیت کے جذبات پیدا ہو جائیں پیری مریدی سے، ذکر سے اور ہو سے یہی مقصد ہے۔ سالک کا مقصد جب تک اصلاحِ اخلاق نہ ہو کبھی وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اوراد کو مقصود بنانے سے کچھ نہیں ہوتا اور آج اکثر اسی غلطی میں مبتلا ہیں۔ ہمارے حضرتؒ نے سارا زور معاملات اور معاشرت پر دیا۔ اسی میں انسانیت کے جوہر کھلتے ہیں، یہ کسوٹی ہے معیار ہے۔ کرلو امتحان اپنے تقدس کا، پرکھ لو اپنے سلوک کو۔ تزکیہ کا، اخلاقِ باطنہ کا سب کا مصرف یہی ہے۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے، اگر انسانیت سیکھنا ہو تو یہاں آؤ اور بزرگ بننا ہو تو کہیں اور جاؤ۔ رذائل وحسنات پر قابو پالینے سے، مجاہدوں سے، طریق کی واقفیت سے، حقائق و معارف سے، علوم سے، تہجد سے الا اللہ کی ضربوں سے آپ بزرگ ہو جائیں گے۔ آپ آپ کے پاس بزرگی کا سرمایہ ہے مگر اس کا مصرف کیا ہے؟ جس طرح بنک بیلنس (BANK BALANCE) آپ کے پاس ہے مگر اس کا مصرف کچھ نہیں یا غلط ہے تو بیکار ہے بلکہ وجہ ناز یا وجہ اذیت بنا ہوا ہے۔ اسی طرح بزرگی کا کچھ مصرف ہے اور وہ انسانیت ہے اور انسانیت معلوم ہوگی معاشرت اور معاملت میں سے

جس نے سمجھا ہو جنونِ شوق کو رازِ حیات
عارفی کیا اور بھی کچھ اس سے سمجھا جائے ہے

ہوسکتا ہے کہ ساری علامتیں تقدس کی موجود ہوں مگر انسانیت نہ ہو۔ دیکھئے تو سہی ہمارے حضرتؒ ساری دنیا کو مدعو کر رہے ہیں انسانیت کی طرف اور خود یہ کہہ رہے ہیں کہ میں مویشیوں سے بھی بدتر ہوں۔ معلوم یہ ہوا کہ وہی انسان ہے جو اپنے آپ کو سب سے کم سمجھے ورنہ ضرور وجہ اذیت بنے گا دوسروں کے لئے۔

عالمِ تعلقات میں ناگواری کا منشاء

ہم کو اپنے نفس کی خاطر ادنیٰ ناگواری لگی ہو تو دیکھنا چاہیے اس ناگواری کا منشاء کیا ہے؟ ہمارے حضرتؒ فرماتے تھے کہ ایک چیز ہے جو سالکین میں سے نکالے نہیں نکلتی اور وہ حبِ جاہ ہے۔ یہ رذیلہ ہزاروں عنوان اختیار کر لیتا ہے مگر نکلنے نہیں پاتا۔ جب تک کسی شیخ کامل کے ذریعہ فنائے کامل حاصل نہ ہو جائے تب تک اس کا نکلنا مشکل ہے، اگر ہم میں حبِ جاہ آجائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم میں حضرتؒ کا رنگ و مذاق نہیں آیا اور فیوض و برکات کا ترشح اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک جاہ باقی ہے۔ ہم اور آپ سب غور کر کے دیکھ لیں کہ ہم میں جاہ تو نہیں، جو کام کر رہے ہیں کہیں جاہ کے لئے تو نہیں کر رہے ہیں۔ سوچ لیں کہ ناگواری کیوں ہوئی؟ کچھ تو ہے آخر۔ معاملات میں گفتگو کے اندر تیزی کیوں آگئی، کونسا رذیلہ انگیز ہو گیا؟ ارے بھائی یہی تو حبِ جاہ ہے، تکبر میں مبتلا ہو، نکالو اس کو، یہ تو رہزن ہے۔ دیکھنے میں بڑا خفیف ہے مگر جب عود کرتا ہے تو سب ہی کچھ لے بیٹھتا ہے۔ اس بات کو سامنے

رکھ لو، مقصد بنالو کہ انشاء اللہ اس کو مٹا کر رہیں گے، فنا کر کے چھوڑیں گے
ارے کہاں نہ بھون سے تعلق اور حب جاہ ایسا تو نہ ہونا چاہیے ؎

دریائے فراواں نشود تیرہ بسنگ
عارف کہ برنجد تنگ آب است ہنوز

ذرا رنجش ہو، ملال آئے تو سوچے، منشاء کیا ہے۔ ارے وہ عارف ہی کہاں ہوا جس میں خودی آگئی، ابھی صفائے قلب اور تعلق مع اللہ نے موجیں کہاں لی ہیں ؎

عمرے باید کہ یار آید بکنار ___ ایں دولت سرمد ہمہ کس راندہند

حب جاہ کا علاج

بس ہمارے حضرتؒ کی مجلس میں اسی کے حلقے ہوئے برسوں، کسی کی خودی نکالی جا رہی ہے، کسی کی جاہ کو مٹایا جا رہا ہے، مختلف تدبیریں بتائی جا رہی ہیں، اس پر تنبیہ فرماتے رہے کہ کیسے کیسے عنوان سے یہ چیزیں سالک میں آتی ہیں حضرتؒ یہی بتاتے رہے کہ ہم اپنا مطمح نظر یہ بنالیں کہ اس خودی کو اور جاہ کو مٹا کر رہیں گے تو انشاء اللہ ضرور کامیاب ہوں گے ؎

آرزوئیں خون ہوں یا حسرتیں پامال ہوں
اب تو اس دل کو بنانا ہے ترے قابل مجھے

بس اپنی طرف دیکھے کہ دوسرے ذلیل تو نہیں معلوم ہو رہے۔ سمجھے کریں تو خدمتگزار ہوں، بچے عزیز رشتہ دار سب کا خدمتگزار۔ خادم کیا ناز کر سکتا ہے ___ اور یہ ناگواری جو جاہ کی وجہ سے ہے۔ تعذیب ہے۔

گویا کہ ہنٹر لگایا جارہا ہے حبِ جاہ کا۔ خودی تو ایک داغ ہے، ارے رہ کیوں جائے۔ جب اس کا ظہور ہو۔ جب ہی مٹاؤ ؎

فنا بھی بقا بھی فناء الفنا بھی

سب آثارِ ہستی مٹاتا چلا جا

سلامتی کا راستہ اور تدبیر یہ ہے کہ اپنی ہر ناگواری پر یہ سوچے کہ میں مج ہوں، اللہ میاں جرمِ خودی کی سزا دلا رہے ہیں، لگاؤ اس کے ہنٹر۔

دیکھتا تھا میں کہ تو نے بھی اشارہ کردیا ؏

بس توبہ کرلو اور نادم ہو جاؤ۔

آج اس ہنگامی دنیا میں فتنے ٹوٹ پڑے ہیں۔ چاروں طرف ناپاکیاں ہیں، گندگیاں ہیں۔ بجائے کسی کی تحقیر کے واحد علاج یہ ہے پناہ چاہے، استغفار کرے، شکر کرے، دہی طوفان اٹھاتے ہیں و کشتی پار لگاتے ہیں۔ شکر کرنے والا، پناہ چاہنے والا اور استغفار کرنے و کبھی محروم نہیں ہوگا۔ اس سے احوال بدلتے چلے جائیں گے، کہیں پن نہیں سوائے اللہ کی رحمت کے۔ پناہ چاہے اور سب کے لئے چا اس سے ناگواریاں اور دل کی کدورتیں دور ہوں گی۔ اور اگر وسوسہ آ کہ سب کے لئے کیوں مانگ رہے ہو تو بھائی جس سے مانگ رہے ہیں ہستی تو عجیب ہے تم مانگو تو سہی۔ وہ نظامِ عالم کو بدلیں یا نہ بدلیں م ہم کو تو مخلوق کی خیر خواہی میں لکھ لیا جائے گا۔ جو ان چیزوں میں مشغو ل ہو جائے اور خود اپنی کشتی گرداب میں دیکھے اس کو دوسروں کو دیکھ کر

ناگواری ہوگی۔

ندامت اور اعترافِ قصور

اگر طاعت کی طرف خیال جانے لگے۔ تب بھی نادم ہو، توبہ کرے، ہم کیا اس کی عظمت کا حق ادا کر سکتے ہیں۔ ہمارے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ خاص خاص چیزوں کو کمال سمجھتے ہیں کوئی عبادت کو کوئی تقویٰ کو مگر محققین سب سے بڑا کمال اسکو سمجھتے ہیں کہ بندہ اپنے نقائص کو ہمیشہ نظر میں رکھے۔ ہماری طاعات یقیناً ناقص ہیں۔ ان نقائص کے ساتھ کیا ناز کیا جاسکتا ہے بلکہ شرمانے کی بات ہے نادم ہونا چاہئے، استغفار کرے۔ شرفِ انسانیت بھی تو یہی ہے کہ بندہ نادم ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام کو سب سے پہلے یہی چیز تو عطا کی گئی ــــ میرے رب نے صرف ایک چیز سے مجھ کو منع کیا تھا، وہی میں کر بیٹھا، کیسی چوک ہوگئی، کیا حرکت کی ــــ! دو چیزیں سامنے آگئیں، "عظمتِ الٰہی اور اپنی بے کسی۔ بس نادم ہو گئے اور چلا اٹھے ربنا ظلمنا انفسنا۔ ارے رازِ زندگی جو ہے وہ یہی معرفت تو ہے اور اعترافِ قصور بڑی چیز ہے۔

فرشتوں نے انھیں رذائل کو دیکھ کر کہا تھا کہ یہ تو خونریزی کریگا۔ مگر یہی رذائل فرشتوں سے اونچا لے جانے والے بن گئے۔ جتنی معرفت انسان کو ہے فرشتوں کو نہیں۔ آدمؑ سے ایک غلطی ہوگئی تھی حضرت آدمؑ کو اس سے اس قدر فائدہ ہوا کہ ندامتِ قلبی پیدا ہوئی کہ ان کا حکم اور ہم قبیل و قال کریں، کیا ہم خود مختار ہیں، بڑی بے ادبی ہے۔ جب رذائل ابھرتے ہیں

جوہر کھلتے ہیں، معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اور جب معرفت سامنے آتی ہے رذائل معطل ہو جاتے ہیں، کام نہیں کرتے۔ بس جب عالم تعلقات میں ممنوعات اور مکروہات کے اندر آلودہ ہو جاؤ۔ یا کسی واقعہ سے ناگواری پیدا ہو تو استغفار کرو۔ نادم ہو اور اپنے بندے ہونے کا استحضار کرلو۔ ندامتِ قلبی بڑا جوہر ہے۔ ارے کون ہوتا ہے نادم، کیا جانور ہوتا ہے فرشتہ ہوتا ہے؟ یہ تو انسان ہی کو شرف بخشا گیا۔ ہم وہاں سے زعم محبت لے کر چلے تھے، دعوائے محبت لے کر آئے تھے، صاحب اختیار بن کر نکلے تھے، کیا اسی لئے اختیار دیا گیا تھا۔ بس نادم ہونا چاہیئے:

اے اللہ! بڑی نادانی ہوگئی، معاف کر دیجئے، بیکس ہوں، آپ کے سوا کوئی سہارا نہیں، اگر آپ معاف نہ کریں گے تو خسران ہی خسران ہے۔ تو حضرت سارا مجاہدہ اور تمام تزکیہ اسی میدان میں انسانوں کے اندر رہ کر ہو جائیگا۔

ناز اور یاس کا علاج اور اگر ندامت میں غلو ہونے لگے اور ناامیدی کا خیال آئے اور یاس کا غلبہ ہو تو پھر اپنے کو معیار پر لے آؤ۔ اللہ کی رحمت سے اور ناامیدی! کیا جانتے نہیں اس کی وسعت کو، کیا یہی حق ادا کر رہے ہو اس کی رحمت کا؟

ع کوئے نومیدی مرو امید ہاست

اس کی رحمت کے سامنے کوتاہیٔ اعمال اور لغزشیں کیا حقیقت رکھتی ہیں توبہ کرو اور شکر ادا کرو ایمان حاصل ہے ـــــ لے آؤ عیسائیوں کو اور یہودیوں کو ایک گندے سے گندے مسلمان کے مقابلہ میں۔ ہمارے

فاسق کو ے لو اور ان کے متبرک سے متبرک کرے آؤ۔ اگرچہ بہت سی گندگیاں ہمارے اوپر ڈالدی گئیں مگر اس فسق وفجور پر بھی یہ عالم ہے کہ مسلمان عورتیں ماحول خراب ہونے کی وجہ سے اگرچہ نیم برہنہ نکلتی ہیں مگر ایمان رکھتی ہیں، نمازیں پڑھتی ہیں، روزہ رکھتی ہیں، صدقہ وخیرات سب ہی کچھ کرتی ہیں۔ یہ اعجاز ہے ہمارے حضرتؒ کا کوئی عالم زبان نہیں کھول سکتا ــــــــــ

اور جب ناز آجائے پھر نیچے آجاؤ۔ یہ نشیب وفراز اگر نہ آئیں تو عرفان نہ ہو، پختگی نہ آئے۔

اللہ تعالےٰ مراتب بلند کرے حضرت والاؒ کے، بڑا احسان کر گئے، راستے کھول دیئے، نفس وشیطان دور تک نظر نہیں آتے ؎

جینا بھی آگیا مجھے مرنا بھی آگیا
پہچاننے لگا ہوں تمھاری نظر کو میں

ایسی پہچان کرا گئے اور ایسی نظر پیدا فرما گئے کہ نہ ناز پیدا ہو سکتا ہے نہ یاس۔

خلاصۂ مسلکِ تھانویؒ تو حضرتؒ یہ ہے ہماری خانقاہ کا تصوف تکمیلِ ترقی اور قربِ خداوندی کے لئے۔ سارے مقامات مخلوق ہی میں طے ہو جاتے ہیں:۔

ــــــ خلوص کے ساتھ "معاملہ" کر رہے ہو یا نہیں یہ احسان ہے۔

ــــــ مخلوق کو اپنے نفس کے شر در سے بچالو اور حقوق ادا کردو یہ سلوک ہے۔

ــــــ لغو کام نہ کرو، لغو مجلس میں نہ بیٹھو، لغو بات نہ سوچو نہ کہو۔ پھر

جو کام کر رہے ہو وہی تمھارے اوراد و وظائف ہیں۔

کام کرنے سے پہلے مشورہ کرو، سوچ لو کہ میاں کی مرضی کے مطابق ہے یا نہیں۔ یہ پاسِ انفاس ہے۔

اس بات پر پختہ ہو جاؤ کہ جو شریعت کا حکم ہوگا وہی کریں گے چاہے کچھ بھی حال گزر جائے۔ یہ تمھاری کرامتیں ہیں۔

اللہ اور اللہ کے رسول کی ہم کو باتیں بتائی جا رہی ہیں، عقائد اور حالات درست ہوتے چلے جا رہے ہیں، اخلاقِ باطنی کی اصلاح ہوتی جا رہی ہے یہ ہمارا اور آپ کا حلقہ ہے۔

اور اپنی بندگی کا تعلق مالک سے درست کر لو یہی وحدۃ الوجود ہے

اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید
معشوق در اینجاست بیائید بیائید

سلوک کی ابتداء اور انتہاء

زندگی کی بہترین چیز پروگرام ہے۔ اس سے کاموں میں سہولت ہو جاتی ہے لہٰذا جو ضروری کام کرنا ہوں تو فرصت کے زمانے میں اپنے وقت پر کر لے ورنہ یہ زندگی تو گزر جانے والی ہے:

میں دیکھتا ہی رہ گیا نیرنگِ صبح و شام
عمرِ فسانہ ساز گذرتی چلی گئی (عارفی)

کلام پاک میں ہے کہ موت کے وقت بندہ کہے گا۔

رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِیْٓ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَکُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ

ترجمہ: (اے میرے پروردگار کیوں نہیں مہلت دی آپ نے مجھے تھوڑی مدت کے لئے کہ میں صدقہ خیرات کرتا اور نیکوکاروں میں شمار ہوتا)

تم اب سمجھ لو کہ مہلت مل گئی ہم میں مختلف مشاغل کے لوگ ہیں، اپنی اپنی حقیقت کو دیکھ لو اور ایک نظر ڈال کر زندگی کا جائزہ لے لو۔ ان تمام معصیتوں کو دھو دینے والی دولت توبہ استغفار ہے، اس سے حالات بدلتے چلے جاتے ہیں اور بندہ کا رُخ درست ہو جاتا ہے اسکو کام میں لاؤ اور لغویت، معصیت اور غفلت جو زندگی میں داخل ہیں انکو حذف کر دو۔ پھر یہی ہمارے کاروبار، کھانا پینا، دوست احباب سے ملنا جلنا سب اعمال حسنہ ہیں۔ اب ہماری حیات حیاتِ طیبہ ہے اور ہم سیدھے راستہ پر ہیں۔

یہ واقعات اور لمحاتِ زندگی ہیں، تعلقات ہیں، معاملات ہیں۔ ان کے کچھ مطالبات ہیں۔ ان سب تغیرات اور حالات کے اندر جیسا جیسا وقت آتا جائے اس کا حق ادا کرتا جائے۔ اسی میں کبھی شکر ہے کبھی صبر ہے اور دونوں ان کی رضا کے مقام ہیں۔

انسان بہرحال انسان ہے مگر یہ قصد و اہتمام کہ غفلتیں یا لغزشیں اگر زندگی میں آئیں تو توبہ کر لیں گے تو پھر یہ لغزشیں بھی ہماری محسن ہیں۔ ان ہی سے قرب حاصل ہوگا اور حیاتِ طیبہ میں بھی مزید اضافہ ہوگا

اس لئے کہ نادم ہیں، شرمسار ہیں، استغفار کر رہے ہیں، تلافیٔ مافات میں لگے ہوئے ہیں اور یہ سب کچھ بھی عین ان کی رضا کے مطابق ہے:

اب حال اپنا ہے اس کے دل خواہ — کیا پوچھتے ہو الحمد للہ

جب یہ حالتیں راسخ ہو جاتی ہیں انھیں کو اصطلاح میں مقامات کہتے ہیں۔ مقام کے معنی ہیں امورِ شرعیہ کا امورِ طبعیہ بن جانا، ان میں تردد نہ ہونا، تذبذب نہ رہنا، استحکام ہو جانا اور اہتمام کرنے کی اہتمام کی عادت ہو جانا۔ چاہے کوئی کیفیت ہو یا نہ ہو عمل پر دوام ہے۔

ع — یعنی اپنی سی کئے جائے۔ بنے یا نہ بنے

ہم تو صرف اہتمام کے مکلف ہیں انجام کے مکلف نہیں۔ انجام تو ان کا سونپا ہے:

ع — کسی کے لب پہ تبسم کسی کے لب پہ آہ

اور یہ سب ان کی رحمت کے عنوان ہیں۔

اب سالک شرعی دستور العمل پر عمل پیرا ہے: فرائض و واجبات کے اہتمام میں مصروف اور ساری زندگی ان کی منشاء کے مطابق گزار رہا ہے۔ تصور میں لائیے کہ اس دستور العمل میں کیا کوئی تغیر ہو سکتا ہے؟ کسی تغیر کا ارادہ ہے؟ بالکل نہیں ہے۔ سو سال کی زندگی ہوتی تب بھی یہی کرتے اور ابد الآباد کی ہوتی تب بھی یہی کرتے۔ جب یہ ہے تو اس کا صلہ بھی ابد الآباد رضا کا مقام جنت ہے۔ اسے قصیر اہتمام ہی سے تو اللہ میاں راضی ہو سکتے ہیں، جو کام کرنے کا ہے وہی تو کر رہے ہیں۔ اب پچاس

قدم پر جان نکل جائے یا سو قدم پر، ہم تو بکلمت بھی اہتمام سے آگئے ہیں کیا معلوم کہ موت ابھی آجائے گی۔

اتنا تو آسان طریق پھر مایوسی کی کیا بات ہے۔ راہ پر پڑ چلنے کے بعد بڑی بیکار بات ہے یہ کہتے رہنا کہ ہم گنہگار ہیں۔ بڑی ناقدری ہے۔ ارے کب کہا تھا اللہ میاں نے کہ معاف نہ کریں گے! یہ عادت تو چھوڑ ہی دینی چاہئے۔ یہ بڑی ناشکری ہے۔ بار بار کیا سوچے۔ علیم و خبیر کے سامنے سب کچھ پیش کر دیا نادم ہو چکے۔ اب ان کی رحمت کی طرف دیکھو کیسے کیسے سرکش لوگوں کو معافی ملے گی۔ ادائے شکر نہ کرو گے تو محروم رہو گے اور ناز کی بھی کوئی بات نہیں یہ تو اللہ کی دین اور عطا ہے۔ ۵

غافل مرد کہ مرکب مردانِ زہد را　　در سنگ لاخ بادیہ ہا پے بریدہ اند
نا امید ہم مباش کہ رندان بادہ کوش　　ناگاہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

حضرت ایک خروش کافی ہے نا امیدی کس بات کی اور مایوس کیوں ہوتے ہو! تمام اہلِ وجدان اور اہل عرفان نے سارے مقاماتِ عبدیت طے کر کے بتا دیا کہ نیکی کے کام ہی "فرائض و واجبات" ہیں۔ ہزار سال زندہ رہو تو کیا اور پچاس سو سال تک زندہ رہو تو کیا۔ صراطِ مستقیم پر رہنے والوں کو انھیں اعمال کے "اہتمام" کی ضرورت ہے۔

الحمد للہ اہتمام کرنے والے محروم نہیں بڑے خوش نصیب ہیں، بڑے بڑے محققین کے ساتھ ہیں، بڑے بڑے جلیل القدر پیغمبر، صدیقین، شہدا اور صالحین اسی راستہ پر چلے ہیں ۔ ع　بر صراطِ مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست

سعی اور تکمیل

السعی منی والاتمام من اللہ کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ ساری عمر اپنی استطاعت کے مطابق طاعات میں کوشش اور معاصی سے بچنے کا اہتمام رہے یہی بندگی کی شان ہے۔ ورنہ ان کا حق کس سے ادا ہوا ——— اور کون ادا کر سکتا ہے کیونکہ تمھاری طرف جتنی نسبت ہے عمل کی وہ تو تمام عمر ناقص ہی رہے گی۔ اتمام کرنے والے اللہ تعالیٰ ہیں اور ان کا اتمام کامل ہے۔ اب اپنا اپنا ظرف ہے اس میں بڑے بڑے ظرف والے، اہلِ معرفت اہلِ مقامات اور صاحبِ نسبت بھی ہیں اور چھوٹے ظرف والے بھی ہیں۔ تم اپنا ظرف دیکھو اور انعامات کا مشاہدہ کرو تاکہ شکر کی توفیق ہو۔

کیا غرض مجھ کو کہ کس کے جام میں ہے کتنی ے
میرے پیمانہ میں لیکن حاصلِ میخانہ ہے (عارفی)

اس طرف دیکھو کہ ناقص سعی پر انتہائی کامل اتمام فرمایا۔ پھر جس درجہ میں جاؤ گے اپنا ظرف کم اور عطا کامل نظر آئے گی۔ اس سے مزید شکر کی توفیق ہو گی، استعداد ترقی کرے گی، ظرف بھی بڑھے گا اور بڑے بڑے صاحبِ کمالات ہیں جن پر افضال و انعاماتِ الٰہیہ ہوئے ہیں شامل ہو جاؤ گے کچھ نہ کر پاؤ گے اور نعمتیں اندازہ سے باہر ہیں اس پر گردن جھکا کر ندامت کے ساتھ شکر ادا کرو یہی وفا کی شان ہے۔

ارشاد فرمایا گیا ہے: ما عرفناک حق معرفتک۔

اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی۔ ترجمہ (آج میں نے تمھارے لئے تمھارا دین کامل کردیا۔ اور اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کردیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دولت اپنے صحابہ میں تقسیم فرمائی پھر حضورؐ کی مجلس والوں میں جس طرح صدیق اکبرؓ کامل ہیں اسی طرح ایک بدوؓ بھی کامل ہے۔

ارشاد ہے اصحابی کالنجوم۔ ترجمہ: میرے صحابہ (ہدایت حاصل کرنے کے لئے) ستاروں کی طرح ہیں) سب جگمگا رہے ہیں چھوٹے بڑے اپنی اپنی جگہ پر۔ ان کے مراتب الگ الگ ہیں، حیثیتیں جداگانہ مگر سب کامل ہیں جنت میں بھی سب کامل ہی ہوں گے، ناقص کوئی نہ ہوگا۔ مگر مراتب اور مدارج میں زمین آسمان کا فرق ہوگا۔ ارے ان کے فضل سے اہتمام کرنیوالا ہر امتی اپنی جگہ پر کامل ہے۔

اسی طرح شیخ کی مجلس میں مختلف استعداد کے لوگ ہیں۔ شیخ نے ایک کو درس و تدریس میں لگادیا، ایک کو خانقاہ میں بٹھادیا۔ کسی کو مسجد میں امامت سپرد کردی، کسی کو اذان دینے پر اور جھاڑو لگانے پہ مامور کردیا۔ سب کامل ہیں۔

پھر دورانِ سعی میں کوئی کسی حال میں ہے کوئی کسی حال میں۔ حضرت مولاناؒ کی مجلس میں فقیر محمد صاحب روتے روتے نڈھال ہوئے جارہے ہیں تو حبیب اللہ صاحبؒ ہنستے ہنستے دیوانے بنے جارہے ہیں۔ ایک اتمام نعمت پر رودئے تو کیا اور دوسرے ہنس دئے تو کیا، اپنا اپنا ظرف ہے مگر پیمانے دونوں کے لبریز ہیں۔

آپ کے جتنے ملازمین ہیں سب تو آپ سے اپنے اپنے درجہ میں قرب ہے اور اپنے اپنے منصب پر سب کامل ہیں۔

ہمارے حصہ میں جو عرفان آیا ہے ہمارے لئے کامل ہے آپ کے حصہ میں جو آیا ہے آپ کے لئے کامل ہے۔ بہت سی ایسی باتیں ہیں کہ آپ کے دوست جانتے ہیں آپ نہیں جانتے اسی طرح اس کا عکس ہے یہ اپنا اپنا رنگ ہے مگر عطا اُن کی کامل ہے بس سعی کی نسبت بندہ کی طرف ہے اور یہ ہمیشہ ناقص ہی رہے گی۔ اور عطا ان کی طرف سے ہے یہ ہمیشہ کامل ہو گی:۔ ؎

حسن کمالِ حسن ہے یعنی حسن جمال ہے کامل ہے

عشق مآلِ عشق ہے یعنی عشق میں کامل کوئی نہیں

غفلت کی مذمت اور رجوع الی اللہ کی ترغیب

زندگی کے STAGES بڑے سبق آموز ہوا کرتے ہیں۔ مختلف حالات (ابتدا ہو یا انتہا) سب پر گزرتے ہیں۔ ایک وقت ہوتا ہے تعلقات بڑھانے میں مزہ آتا ہے دوسرے وقت تعلقات گھٹانے میں لطف ہوتا ہے۔ پہلے مسلمان اگر عمر کے ایک حصہ کو لہو و لعب میں صرف بھی کر دیتے تھے تو آخر میں اکثر خدا کی طرف متوجہ ہو جاتے اور اپنی آخرت سنوار لیا کرتے تھے۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ زیادہ تر دین کے چرچے تھے اور

ابتدائی تعلیم بڑی ٹھوس اور مذہبی ہوتی تھی۔

انگریز اسلام کا پرانا دشمن، اس نے اور ایج (OOER AGE) اور انڈر ایج (UNDER AGE) کی چخ لگاکر مسلمان کو روزی میں الجھا دیا کہ عربی (یعنی صرف قرآن ہی) اگر پڑھیں گے تو ملازمت کے لیے عمر نہ رہے گی۔ کمبخت نے نہ دین کا چھوڑا نہ دنیا کا۔ جب گیا تو وہی انگریزی ذہنیت پیدا کر گیا۔ پہلے مسلمان بچوں کے لئے ابتدائی کتابیں بڑی ایمان افروز ہوتی تھیں۔ پہلا جملہ "راہِ نجات" کا ہمیں یاد ہے یہ تھا۔ "عزیزو! سمجھو تم اس بات کو مسلمان ہونا بڑی نعمت ہے۔" آج بلّی اور کتے ابتداء میں بچوں کو رٹوائے جاتے ہیں اور جب بڑے ہو گئے تو نواب صاحب بن کر سو گئے۔

ایک بڑے میاں کو دیکھا۔ بالکل بوڑھے۔ کمر جھکی ہوئی، ہونٹ پہ نے ٹائی لگائے چلے جا رہے ہیں۔ اب تک یا اللہ آخرت کا اندازہ نہیں ہوا! ارے بھول جاتے اب تو سب چیزوں کو، آخرت کے معاملات بڑے سنگین ہیں ذرا قلب کو فارغ کر لیتے مگر۔ ؎

بے صرفہ ہی گذرتی ہے، ہو کیوں نہ عمر خضر
حضرت بھی کل کہیں گے کہ ہم کیا کیا کیے

اللہ کی معرفت تو بہت دور کی بات ہے اپنا ہی حق ادا نہیں ہوتا۔ کوئی پاکیزہ زندگی ہو کچھ لطفِ زندگی ہو کچھ تو ہو جس کے لئے سرمایہ وقت کھو رہے ہو ؎

احساسِ زندگی ہے نہ کچھ لطفِ زندگی ہم کیا جئے کہ مائلِ خوابِ گراں رہے

حدیثِ دیگراں کب تک اپنی ہی آپ بیتی عبرت کے لئے کچھ کم موثر نہ
اپنی حالت کا جائزہ لو سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ اگر آخرت پر ایما
تو جتنا سوچو گے اتنا ہی افسوس اور قلق ہو گا اور سوچتے سوچتے اگر
ہونے لگو اور یاس غالب آنے لگے تو یہ بھی غلط ہے ؎

سنبھلنے دے مجھے اے ناامیدی کیا قیامت ہے
کہ دامانِ خیالِ یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے

غفلت کا وقت تو خیر گزر ہی گیا مگر کس کا دامن ہاتھ میں ہے
دیکھو۔ تم کو حضورؐ کے امتی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس کا
کرو اور باقی زندگی اس کی قدر دانی میں گزار دو ؎

وقتِ طلوع دیکھا وقتِ غروب دیکھا
دل سیر ہو چکا ہے دنیا کو خوب دیکھا

دوست احباب یار ٹیاں اس کا حاصل کچھ بھی نہیں لیکن ایک تش
اللہ کے لئے ذخیرۂ آخرت بن جائے گی یہاں تو ہر وقت تو لیٹ
ہے ؎

بس ہے اپنا ایک بھی نالہ اگر پہونچے وہاں
گرچہ کرتے ہیں بہت سے نالہ و فریاد ہم

پندار کا صنم کدہ ویران کئے ہوئے

حضرت والاؒ سے سیّد صاحبؒ کی بیعت کا تذکرہ کرتے ہوئے

کہ جب تک یہ زعم باطل کہ میں کچھ جانتا ہوں نہ ٹوٹ جائے باطن کی راہ نہیں کھلتی۔ کوئی یہ سمجھا دے کہ تمہیں کچھ نہیں آتا۔ جب یہ سند مل جائے گی رہبری ہو جائے گی ؎

تا بدینجا رسید دانشِ من
تا بدانم ہمیں کہ نادانم

بڑا حجاب اور بڑی رکاوٹ اس راہ میں پندار ہے اور اپنے کو کچھ سمجھنا ہے اور بڑا ذریعہ ترقی کا اپنے نقائص اور نااہلی کا استحضار ہے اس لئے کہ نہ عرفان کی کوئی انتہا ہے نہ فضائل کی ؎

حاصلِ عمرِ بشر جہل کا عرفاں ہونا
عمر بھر عقل سے سیکھا کئے ناداں ہونا

سید سلیمان ندویؒ عالمگیر شہرت کے مالک، عالم، علامہ، مورخ ادیب سب ہی کچھ تھے کہتے تھے کہ دس سال تک اس آرزو کو لئے کہ پھرا کہ ہندوستان کے کسی گوشہ میں کوئی مردِ کامل مل جائے جو میری تصانیف تو دیکھے۔ میری "سیرت" دیکھے تاریخ و ادب میں کاوشوں کی کوئی تو داد دے۔ کوئی اہلِ دل اہلِ نظر نہ ملتا تھا۔ لیکن کشش تھی تو تھانہ بھون کی طرف۔ دل اسی طرف کھنچتا تھا، خواب میں دیکھتا تھا تو تھانہ بھون۔ سید صاحبؒ نے از خود رجوع کیا۔ آخر سب خیالات سے فارغ ہو کر پہنچ گئے حضرتؒ کی مجلس میں ؎

دل پھر طوافِ کوئے ملامت کو جائے ہے
پندار کا صنم کدہ ویراں کئے ہوئے

پہلی ہی ملاقات میں علامیت کا ظرف ٹوٹ گیا وہ آئینہ جس میں اپنی ہی تصویر نظر آتی تھی پاش پاش ہو گیا اور خانقاہ میں سہ دری کے ستون کو پکڑ کر فرمایا تھا کہ "ساری عمر کے تجربے سے یہ معلوم ہوا کہ جن علوم پر ہم کو ناز تھا وہ سب جہل ہے علوم تو یہ بڑے میاں لئے بیٹھے ہیں"، جب چلنے لگے عرض کیا کہ کچھ نصیحت فرما دیجئے۔ فرمایا کہ "حضرت یہاں تو پہلا قدم اپنے کو مٹانا ہے" بس گریہ طاری ہو گیا اسی وقت دل ٹوٹ گیا، دفعتاً رُخ بدل گیا، ذوق بدل گیا، اپنے کو اتنا مٹایا ایسا فنا کیا کہ سارے عالم کو معلوم ہو گیا کہ حضرتؒ سے تعلق ہے۔ حضرتؒ کے ادنیٰ خادم رحم علی کی جوتیاں اٹھائے پھرتے تھے دوستوں کے ہندوستان میں خطوط آئے کہ یہ تم نے کیا کیا چاہیے تو یہ تھا کہ مولانا نانوتوی تم سے رجوع ہوتے تم الٹے ان سے بیعت ہو گئے۔ فرمایا کہ بھائی میرے جن کمالات کے آپ قائل ہیں انھیں کمالات نے وہاں لے جا کر جھکا دیا۔ میں نے اپنا قبلہ درست کر لیا تم بھی درست کر لو۔ ؎

گرچہ بدنامیست نزدِ عاقلاں
مانمی خواہیم ننگ و نام را

ذکر و فکر اور مقامِ شکر

ہم کو ذکرِ لسانی کی عادت ڈالنی چاہیئے، ذکرِ لسانی کرتے کرتے کبھی دل تک ایک آدھ دفعہ لہر پہونچ جاتی ہے اور ذکرِ قلبی کی دولت میسر ہو جاتی

ہے۔ پھر تمام عالمِ امکان ہمارے لئے ذکرِ قلبی کا باعث بن جاتا ہے۔ جس طرح تسبیح مذکِّر ہے ذکرِ لسانی کے لئے اسی طرح اس کائنات کی ایک ایک شے مذکِّر ہو جاتی ہے۔ ذکرِ قلبی کے لئے اور معاملاتِ معاشرت اور حوادث غرضیکہ تمام چیزیں ذکرِ قلبی کی فضا میں تجلیات نظر آنے لگتی ہیں۔

یہ ذکرِ قلبی دعوتِ فکر دیتا ہے، احساسِ فکر اور تقاضائے فکر پیدا کرتا ہے۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ فکر کا مادہ جو خوابیدہ اور چھپا ہوا تھا اس کو ابھار دیتا ہے۔ خدا تعالےٰ نے یہ تمام سامان اپنی طرف متوجہ کرنے کے واسطے پیدا فرمائے ہیں، کچھ خوشگوار، کچھ ناگوار۔ سب خدا تعالےٰ کی طرف سے ہیں اور ہمارے لئے ہیں۔ تجلیِ جمال بھی ہمارے لئے اور تجلیِ جلال بھی ہمارے لئے۔ ان دونوں کے بغیر معرفت کی تکمیل نہیں ہوتی۔ شکر سے بھی معرفت پیدا ہوگی اور صبر سے بھی اور معرفت سے محبت حاصل ہوگی۔

محبت کی گرویدگی کس نے پیدا کر دی، سخت لہجے سے ہمارے ساتھ کسی کو کس نے بلوایا یا یہ حوادث جو کبھی مزاج پرسی کر لیتے ہیں کس نے ظاہر کر دیے؟ ؎

تیری محفل سے اٹھاتا غیر مجھ کو کیا مجال
دیکھتا تھا میں کہ تو نے بھی اشارہ کر دیا

معلوم یہ ہوا کہ اُدھر ہی سے اشارہ ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ تعلق قوی ہو جائے ؎

ناخوشِ تو خوش بود بر جانِ من دل فدائے یارِ دل رنجانِ من

یہ سب حالات انھیں کی طرف سے ہیں اور کس کے لئے ہیں۔ ؟ ہمارے لئے۔

بس کچھ دن تک دیوانوں کی طرح یہی رٹ لگانی چاہئے کہ یہ سب کچھ میرے لئے ہے۔ عالمِ کائنات ہے اور میں ہوں۔ ہوائیں، فضائیں سب میرے لئے ہیں۔ ہر چیز اللہ نے میرے لئے پیدا کی۔

لمحات کہہ رہے ہیں کہ ہم بھی موجود تم بھی موجود، اپنا لو ہم کو یہی ہمارا مصرف تھا۔ یہ لمحات اللہ نے میرے لئے پیدا کئے۔

سورج طلوع ہو رہا ہے میرے لئے۔ آج کائنات کو حیات نو عطا کی جا رہی ہے۔ میرے وجود کے لئے۔ ہزاروں تقاضا کرنے والی اور اللہ کی طرف متوجہ کرنے والی چیزیں موجود ہیں۔ یہ اللہ نے میرے لئے پیدا کی ہیں ،، اس کی ذرا جھلک آئی اور شکر ادا کر دیا۔ آتے آتے یہ جھلکیاں تند و تیز ہو جائیں گی اور آپ اپنے آپ کو انعاماتِ الٰہیہ میں ڈوبا ہوا پائیں گے ان جھلکیوں کو پیدا کرنے کے لئے اپنی زندگی سے چند لمحات ضرور نکال لیجئے۔ یہ بڑھیں گی تکرار سے، اہل اللہ کی صحبتوں سے اور استحضارِ انعاماتِ الٰہیہ سے کروڑوں چیزیں یاد دہانی کے لئے موجود ہیں۔ چند کا بھی شکر ادا کر دو گے کامیاب ہو جاؤ گے اور جس روز اس مراقبہ میں ہار جاؤ گے اسی روز دروازہ کھل جائے گا۔ پکار اٹھو گے کہ اے اللہ میں تو ان جھوکوں کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ اے اللہ توفیق عطا فرما کہ میں آپ کی رضا کے لئے صحیح طور پر قدر کے ساتھ یہ چیزیں استعمال کروں۔ اے اللہ مجھے اپنا شکر گذار اور فرماں بردار بندہ بنا لیجئے۔

اسبابِ تقویتِ روح اور آثارِ حسنِ خاتمہ

دوست اور جائداد کا منشا جو کچھ ہے وہ فراغتِ قلب ہے سو الحمدللہ جائداد کا منشاء یعنی فراغتِ قلب ہم کو حاصل ہے۔ اگر فراغتِ قلب میسر نہ ہوتی تو ذکراللہ کے لئے یہاں کیسے جمع ہو جاتے۔ کثرتِ ذکراللہ اور صحبت اہل اللہ بڑی نعمت ہے۔ اندازہ نہیں ہوتا صبح سے شام تک جاتے کتنی نعمتیں کھا چکے ہیں۔ اس سے ہڈی، خون وغیرہ سب ہی کچھ بنے گا مگر اس وقت کچھ احساس نہیں ہو رہا۔ اسی طرح روح کی غذا ذکراللہ ہے۔ ذکراللہ سے یہ توانا ہوتی ہے۔ اگرچہ اس وقت اس کا احساس نہ ہو لیکن جب جسمِ ناتواں سے نکلے گی انشاء اللہ بڑی قوی ہو کر نکلے گی۔

دوسرے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں جلیس ہوتا ہوں ایسی مجلس کا جس میں میرا ذکر ہو۔ اس ہمہ مجالست سے بھی روح کو تقویت پہونچتی رہتی ہے۔ پس جب یہ روح جسم سے مفارقت کرے گی تو جن کی مجالست سے انس حاصل کر چکی ہے انھیں سے وابستہ ہو جائے گی۔ الحمدللہ منجملہ علامات کے ایک یہ بھی علامت ہے حسنِ خاتمہ کی۔

فکرِ خود

ایک صاحب کی اخباری اور سیاسی گفتگو پر جو بہت دیر سے

مسلمانوں کی بے راہ روی کی شکایتیں کر رہے تھے ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ یہ دور یوں ہی رہے گا۔ حوادثات اور انقلابات آتے رہیں گے لیکن کسی پہلو سکون نہیں ملے گا۔ سکون اگر ملے گا تو حضورؐ کے دامن میں سے

ہیچ کنجے بے دد و بے دام نیست
جز بخلوت گاہِ حق آرام نیست

حضورؐ کے دامن میں ہزاروں رحمتیں ہیں، ہم نے اسی رحمت کے دامن کو تو چھوڑ دیا اسی وجہ سے پراگندہ ہیں۔ یہ سب ہمارے ہی قدموں کی نحوست ہے۔ ورنہ تو اسلاف نے اس دامن میں پناہ لے کر کر کے دکھلا دیا کہ حکومت اور سیاست کس کو کہتے ہیں۔ اب کون بدلے گا اس نظامِ عالم کو، کوئی بدل سکتا ہے؟ قربِ قیامت ہے اپنے ایمان کی خیر منائیں سے

ایمان چو سلامت بلبِ گور بریم
احسنت بریں چستی و چالاکئ ما

بھئی جو چیز ہیبت ناک ہے اس سے بچو، طرزِ معاشرت بدلو، جس جس کام کے ہم فی الحال مکلّف ہیں وہ تو کر لیں، اپنے اندر تو تغیر پیدا کر لیں، بس ہمارے لئے اور آپ کے لئے یہی ایک کام ہے کہ اپنی طرف دیکھیں، شکوے شکایت میں مبتلا ہو کر ہمیں کچھ نہ ملے گا سے

بیکار ہیں سب قصے کیوں انکی طرف دیکھو
ان سب کی حقیقت کیا تم اپنی طرف دیکھو

اصلاح کا آسان طریق

زندگی میں بہتر تغیر پیدا کرنے کے سلسلے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندہ کا معاملہ عجیب ہے۔ آج طلب ظاہر کردو، ارادہ کرلو اصلاح کا، بنالو فہرست کن کن کوتاہیوں میں مبتلا ہو۔ معاملت، معاشرت، اخلاق سب میں کوتاہیوں کا جائزہ لے لو۔ اب دیکھو کن کن چیزوں کو چھوڑ سکتے ہو اور کن چیزوں کو نہیں چھوڑ سکتے۔ مثلاً وضع قطع کو نہیں چھوڑ سکتے۔ اب دیکھو معاملہ کس سے کرنا ہے۔ کس کے لئے سنوار رہے ہو خود کو، بس انھیں کے سامنے تنہائی میں کہہ لو کہ اے اللہ! وضع قطع میں تغیر محال نظر آتا ہے اگرچہ میں یہ وضع پسند نہیں کرتا مگر خراب ماحول میں پرورش پائی۔ ایک عمر بسر کر چکا، بگڑ گیا، آپ اس بگڑی ہوئی استعداد کو بدل دیں۔ آپ کے لئے یہ آسان ہے میرے لئے یہ محال نظر آتا ہے۔ تنہائی میں تہجد کے وقت اللہ میاں سے باتیں کریں اور کسی مخصوص وقت اور تنہائی کی بھی ضرورت نہیں، کوئی وقت ہو۔ تخلیہ تو اسی وقت ہو جاتا ہے جب تم نے ان سے باتیں شروع کردیں۔

اللہ تعالیٰ خود پسند فرماتے ہیں کہ یہ بدحواس پراگندہ بندے کچھ دیر تو ہماری طرف متوجہ ہو جائیں۔ دن میں رات میں جس وقت چاہیں بات کریں، ہمارے سامنے اقرار تو کریں اپنے عجز کا۔ کس چیز کو ناممکن سمجھتے ہو۔ وضع قطع میں تغیر تمہارے لئے ناممکن سہی مگر یہ تو ممکن ہے دو باتیں دو منٹ

کے لیئے ہم سے کہہ لیا کرو، کسی وقت ہم سے یہ کہہ لیا کرو کہ اے اللہ! میں عاجز ہوں، ناتواں ہوں، مغلوب ہوں، نالائق ہوں، کچھ کرتے بن نہیں پڑتا، آپ ہی اپنا فضل فرمادیں، یہ تو کہہ لیا کرو۔ کیا اتنا بھی نہ کرسکو گے؟ اتنا تو اختیار رکھتے ہو کہ زبان سے کہہ لو، اس اختیار کو تو کام میں لے آؤ۔ دیکھو پھر تغیر ہوتا ہے یا نہیں۔

اس دربار میں معروض پیش کرنے والا کبھی نامراد نہیں ہو سکتا۔ ذرا طلب ظاہر کر کے مانگنے پر اتر تو آؤ۔ پیش تو کرو کچھ کیا کہنا ہے۔ کام تو یونہی بنے گا، عاجز درماندہ ہو کر سامنے آجاؤ: اے اللہ! کوئی میری مدد نہیں کرسکتا سوائے آپ کے۔ آپ کی قدرت و جلال کے سامنے میں کیا سارا عالم عاجز ہے۔ اے اللہ بیوی اور اولاد میری، دوست احباب میرے۔ دل میرا نفس میرا، اور اپنا ہوتے ہوئے پھر بیگانے۔ کوئی بھی اپنے کہنے میں نہیں کوئی اپنا ہمنوا نہیں یا اللہ اس عالم کائنات میں میں تنہا ہوں، حیران و پریشان عاجز و درماندہ، میں تو قادر نہیں پاتا خود کو اصلاح پر، کسی چیز پر قابو نہیں آپ ہی اس ضعیف کی دستگیری فرمائیں۔ بس طلب ظاہر کرو، راستہ تو عرض معروض ہی سے کھلے گا، زاری کرو، کہتے رہو۔ دیکھو پھر زندگی میں انقلاب آتا ہے یا نہیں۔ مگر ہم میں طلب ہی نہیں۔ طلب نہ ہونے پر فرماتے ہیں انلزمکموها وانتم لها کٰرهون کیا ہم ہدایت کو تم پر چپکا دیں اور تم اس کو ناپسند کرتے رہو۔ ارے کچھ خود بھی تو طلب ظاہر کرو۔ بغیر طلب کے کہیں کچھ ملا ہے کسی کو؟ جب مانگو گے نہیں تو کوئی دے

کیسے دے گا!

فرائض وواجبات کی اہمیت

فرائض وواجبات کی ادائیگی کے سلسلے میں فرمایا کہ عرفی ولایت تو کشف وکرامت ہوئی مگر حقیقی ولایت یہ ہے کہ احکاماتِ الٰہیہ پر عمل ہوجائے اور احکامات کے دو پہلو ہیں۔ یہ کرو اور یہ نہ کرو اور دونوں میں معرفت اور معیتِ الٰہیہ ہے اور اس کے لئے ہمارا تمام وجود مکلّف ہے --- زبان سے کسی کو نیک مشورہ دیدیا، قرب حاصل ہوگیا، غیبت سے زبان کو روک لیا، قرب حاصل ہوگیا۔ کلام پاک کی تلاوت کی بصارت سے قرب حاصل ہوا، ان کو نامحرم کے دیکھنے سے روک لیا، قرب حاصل ہوگیا۔ دن رات اسی کی دھن، اسی کا تذکرہ ہے، اس حال پر استحکام اور استقامت وہ دولت ہے کہ کشف وکرامت کوئی حقیقت نہیں رکھتے اس کے سامنے مگر یہ ایک دو دن کا کام نہیں ہے۔

عمرے باید کہ یار آید بکنار　　　این دولتِ سرمد ہمہ کس راند ہند

حضرت حاجی صاحب ؒ نے حضرت مولانا گنگوہی ؒ کو ایک مرتبہ خط تحریر فرمایا کہ عرصہ سے آنعزیز کا حال معلوم نہیں ہوا۔ حضرت گنگوہی ؒ نے جواب دیا، شرم آتی ہے کیا لکھوں کچھ حاصل نہ کر پایا لیکن حضرت کی جوتیوں کے طفیل امورِ شرعیہ امورِ طبعیہ بن گئے، کوئی اشکال نہیں رہا اور مدح و ذم کا

دل پر کوئی اثر نہیں۔ حضرت حاجی صاحبؒ کے پاس جب یہ خط پہنچا سر پہ رکھ لیا، کھڑے ہوگئے وجد طاری ہوگیا ـــــ اللہ اللہ! یعنی زندگی ڈھل گئی تھی، فرائض و واجبات ہیں اور اسی دھن میں لگے ہوئے ہیں لہٰذا کسی کے بُرا بھلا کہنے کا کوئی اثر دل پر نہیں۔

رمضان شریف کا اہتمام اور اہمیت

ڈاکٹر صاحب کا معمول ہے کہ جمعہ کی خصوصی مجلس میں حضرت والاؒ ہی کی کوئی تصنیف حاضرینِ مجلس کو خود پڑھ کر سناتے ہیں اور اس کے بعض بعض جملوں کی تشریح فرماتے اور سمجھاتے جاتے ہیں۔ اس مرتبہ حضرت والاؒ کی تصنیف "تعلیم الدین" معمول میں تھی جو رمضان شریف سے دو چار روز پہلے ختم ہوگئی تھی، چونکہ رمضان شریف میں جمعہ کی خصوصی مجلس موقوف رہتی ہے اس لئے حضرت والاؒ کی کوئی دوسری کتاب رمضان شریف کے بعد ہی شروع کرنے کا خیال تھا۔ آج (۲۰ فروری ۱۹۶۲ء) رمضان شریف کے اہتمام پر گفتگو فرمائی:-

الحمد للہ تعلیم الدین ہم ختم کر چکے تصدیق اور عقائد کی تصحیح کے بعد عمل میں کوتاہی کے لئے اللہ تعالے سے امید ہے کہ معاف فرما دیں گے۔ گویا کہ حدودِ رمضان میں دین پر تفصیلی نظر ڈال کر ایمانی صحت کو لئے ہوئے ہم داخل ہو رہے ہیں۔

آنے والے تیس دن بڑے اہم ہیں۔ اللہ میاں کی طرف سے بڑے بڑے اعلانات ہیں رحمت و مغفرت کے۔ یہ خصوصیت کر دینا کہ یہ مہینہ ہمارا ہے اور ہمارے لئے ہے۔ بڑی اہمیت رکھتا ہے اِس ماہ مبارک میں جنتیں سنواری جاتی ہیں اور خوشبو سے بسائی جاتی ہیں۔ ہم کو بھی ضرور کچھ اہتمام اور فکر کرنا چاہئے۔

آپ بہت سی چیزوں کا اہتمام کرتے ہیں اللہ کی بارگاہ میں جانے کا بھی پہلے سے کچھ اہتمام کر لیجئے، آپ مہمانِ خاص کی صورت میں بلائے جا رہے ہیں، ہمیں چاہئے کہ بارگاہِ الٰہی میں داخل ہونے سے پہلے اپنے لباس پر ایک نظر ڈال لیں، اپنی زندگی کا جائزہ لے لیں۔ کون سے داغ ہیں، کونسی خامیاں ہیں، کونسے تقاضے ابھرتے ہیں۔ کن حسنات سے رہ جاتے ہیں اور کن کن چیزوں کی ہمیں ضرورت ہے۔

بارگاہ الٰہی میں ندامت کے ساتھ خطاؤں کی فہرست لیکر جائیے کہ معاف فرما دیجئے۔ (نوافل) عبادات اور طاعات بھی لے کر جائیے کہ یہ رکھی ہیں آپ کے سامنے یقیناً ناقص ہیں مگر آپ قادر ہیں کامل کر دیجئے اور میرے والدین اور اہلِ حقوق کو بخشدیجئے —— قیامت کے روز سیئات تو رکھدیے جائیں گے ایک طرف، پر کھو تو حسنات کی ہوگی سو اس خلش کو بھی نکال دیجئے؛ ع

بس ایک امیدِ کرم لے کے چلا ہوں

ساری عبادتیں ایک طرف اور اللہ کی رحمت کی امید ایک طرف۔ یہ ندامت

قلبی اور بیکسی بڑی دولتیں ہیں۔ ان کے حصول کے بعد تمام باطنی دولتیں مل جاتی ہیں۔ جب بے سرمایہ اور نادم ہو کر بارگاہ میں آپ گے انشاءاللہ ضرور رحم ہوگا۔

چارہ سازی کر رہا ہے ان کا لطفِ دلنواز
حاصلِ صد ناز ہے یہ بیکسی میرے لئے

اللہ تعالیٰ نے موسموں کی تبدیلیوں میں بڑے سبق رکھے ہیں۔ بڑے بڑے مناظر سامنے آتے ہیں، کبھی خزاں ہے، کبھی بہار ہے اسی قسم کے تغیرات ہمارے قلب پر بھی آتے رہتے ہیں۔ ہماری نا عاقبت اندیشی، بے التفاتی اور غفلت سے گیارہ مہینے اس دل پر خزاں کے اور تاریکیوں کے گذر گئے۔ یہ مہینہ اس کی بہار کا ہے، انوار و تجلیات کا ہے۔ اس مہینے میں اللہ کی عطایا اور تجلیات اس قدر ہیں کہ اگر وہ پردہ اٹھا دیں تو ہمارے دماغ خراب ہو جائیں۔

یہ انہیں عطاؤں کا اثر ہے کہ حصولِ انوار کے لئے توفیقِ وافر دیدی جاتی ہے، کلام اللہ کس کثرت سے پڑھا جاتا ہے! یہاں سے لوح محفوظ تک نور ہی نور ہوتا ہے۔ ہر گوشے پر انوار و تجلیات ہوتے ہیں۔ خیر کی طرف کیسے لوگ جھک جاتے ہیں، صدقات و خیرات کی کتنی توفیق ہو جاتی ہے۔ کمزور ضعیف بوڑھے لوگ سبھی روزے کا اہتمام کرتے ہیں۔ رحمتوں اور مغفرتوں کا نزول ہوتا ہے۔ ارے بھائی ڈوب جاؤ ان انوار میں اللہ کا احسان ہے جو تم دیا ہے۔ کیسی محرومی ہے اس

مسلمان کی جو آمادہ ہو کر نہ آئے۔جبھی تو اللہ میاں ناراض ہوتے ہیں اس شخص پر جو رمضان میں کبھی اپنی مغفرت طلب نہ کرے۔

اس مہینے میں اہتمام کی وجہ سے حقیقتِ عبادت پیدا ہو جاتی ہے۔حقیقت تڑپنے لگتی ہے صورت کے اندر یہ بڑی نعمت ہے اس سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے۔بیشک ہم عاجز اور ضعیف ہیں مگر کوئی عاجز نواز بھی تو ہے۔اپنا عجز اور اپنی بیکسی پیش کر دیجئے۔ ؎

بر من منگر بر کرمِ خویش نگر

جتنا زیادہ اپنے عجز کا اظہار ہوتا ہے اتنی ہی زیادہ کسی کی قدرت سامنے آتی ہے عاجز ہو کر طاقت اور نور طلب کیجئے؛ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْلَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ (اے ہمارے پروردگار ہمارے لئے ہمارا نور مکمل فرما دیجئے اور ہماری بخشش کر دیجئے بیشک آپ کو ہر چیز پر قدرت ہے) ورنہ کیا بس کی بات ہے اس ظلمت کدہ میں ہم کوئی نورانی کام کر سکیں۔ان انوار و تجلیات کو جذب کر لیجئے اپنے اندر اور سنبھالے رکھئے اس تاریک دور میں بڑی ضرورت ہے نور کی ؎

تاریک رات اپنی سیاہی میں جس طرح
ہے التجائے نور کو پنہاں کئے ہوئے
یوں ہی ترے خیال میں بیٹھا ہوا ہوں میں
آنکھوں کو بند دل کو فروزاں کئے ہوئے

تاریکی چاہتی ہے کہ اسے کوئی منور کرے، ہماری تاریک زندگی میں بھی ایک

تشنگی اور طلب ہے منوّر ہونے کی اور نور کا مصرف یہ ہے کہ ہر چیز اپنی جگہ پہ منوّر اور ممیّز ہو جائے منفعت اور مضرّت نظر آنے لگے۔

اس ماہِ مبارک میں بشریت کا ہر داعیہ اعتدال پہ آجاتا ہے، احساسات لطیف اور ادراکات صحیح ہو جاتے ہیں اور یہ سب اپنی ہی زندگی کا سرمایہ ہوں گے۔ تقاضائے بشری کے اعتدال کی کیا آپ کو ضرورت نہیں؟ کیا تاریکیوں سے مقابلہ کرنے کے لئے آپ کو نور کی حاجت نہیں؟؟

اس مہینے میں لغو تعلقات کو اور لغو مشاغل کو ترک کر دینا چاہیے۔ اور لغو وہ ہے جس سے دین دنیا میں کوئی فائدہ نہ ہو۔ ایسے ماحول اور ایسی صحبتوں سے گریز کیجئے۔ لیکن ایک شرط ہے کہ یہ کام اپنے کو متقی سمجھ کر نہ کرنا بلکہ اپنے کو کمزور اور مجروح سمجھ کر بچائے رکھنا۔ اگر تقویٰ کا زور سے کر جاؤ گے تو ایسا نہ ہو کہ نفس کے کید میں گرفتار ہو کر فتنہ و فساد میں مبتلا ہو جاؤ اور فراغتِ قلبی ہی کو کھو بیٹھو۔

بس اس مہینے میں تو اپنے ہی اوپر نظر جم جائے کہ کہاں کہاں رحمت کی ضرورت ہے، کہاں مغفرت کی طلب ہے اور کہاں دوزخ سے پناہ درکار ہے۔ ورنہ ہزاروں بے عنوانیاں ہیں کس کس کو دیکھو گے۔ اس بے حیائی اور عریانی کو اپنے ہی جذبات کی عریانی سمجھو سو انہی جذبات کی اصلاح کر لو۔ نفس کے کید بڑی مشکل سے معلوم ہوتے ہیں، اس کا پتہ اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھ کر چلتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کام تو ہو نہیں اور فتویٰ لگانا شروع کر دو۔ رمضان میں تو عبادت ہی کرنا چاہیے، اپنے ہی

اوپر نظر رہے ورنہ دنیا تو بھری ہوئی ہے گندگیوں سے، کہاں کہاں نظر ڈالو گے ہزاروں گندگیاں ہیں۔ سو جہاں تک ہو سکے اعتراض سے بچئے۔ اس سے بہتر تو یہ ہے کہ سو جائے کہ یہ بھی عبادت ہے اور یہ ایسی محویت اور بے خودی کی عبادت ہے کہ اس میں اپنا ہوش رہے نہ غیر کا۔ بس رمضان شریف اس طرح بسر کیجئے۔ دراصل کام تو اسی وقت ہوتا ہے کہ اہتمام سے پہلے صحیح علم حاصل ہو جائے۔

ایک بات ذہن میں ہے اگرچہ ہے تو لطیفہ کے طور پر مگر ہمارے حضرت فرماتے تھے کہ کلام اللہ اور کلام رسول اللہ سے لطیفہ کے طور پر حدودِ شریعت میں اگر کوئی بات سمجھ میں آجائے اور اسے کام میں لے آئے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، حدیث شریف میں ہے کہ رمضان شریف کا پہلا عشرہ رحمت کا، دوسرا مغفرت کا اور تیسرا جہنم سے نجات کا ہے اور ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار (اے ہمارے پروردگار ہم کو دنیا میں بھی نیکی عطا فرما اور آخرت میں بھی اور عذابِ دوزخ سے ہم کو بچا) میں بھی تینوں چیزوں کی طلب ہے۔

رحمت کی ضرورت ہمیں فی الحال ہے پہلے عشرہ میں یہ سوچئے کہ ہم کو کن کن چیزوں کی ضرورت ہے۔ کہاں کہاں سہارا چاہتا ہوں۔ ان امور میں سوچیں اور اللہ میاں سے امداد طلب کریں کہ اے اللہ دین پر عمل کرنے کے لئے آپ کی رحمت کا محتاج ہوں۔ فرائض و واجبات میں آپ کی دستگیری کی ضرورت ہے۔ بس مختصر کر لیجئے اس مراقبہ کو کہ یا اللہ!

آپ کے اور آپ کے بندوں کے حقوق کی ادائیگی میں آپ کی رحمت کا محتاج ہوں۔

مغفرت کی ضرورت آخرت کے لئے ہے کہ یا اللہ جتنی معصیتیں ہوئی ہیں اور ہوسکتی ہیں یا اللہ ان سب کو معاف کر دیجئے۔ دوسرے عشرہ میں بس دو چار منٹ کے لئے روزانہ یہ مراقبہ کرلیا۔

آخر کے عشرہ میں دوزخ سے پناہ مانگئے۔ نفس و شیطان ساتھ ہیں، جانے کہاں مبتلا ہو جاؤں۔ نفس خبر نہیں کس سرحدِ کفر پر لیجا کر دھکیل دے۔ ہر لمحے تغیر کا خوف ہے۔ کبر سے، خودی سے، نخوت و غرور سے جو جہنم میں لے جانے والی چیزیں ہیں۔ ان سے پناہ مانگئے۔ اے اللہ کچھ عقائد و اعمال ایسے ہیں جو جہنم میں لے جانے والے ہیں ان سب سے ہم آپ کی پناہ چاہتے ہیں۔ بس رحمتیں طلب کرلیجئے، مغفرت طلب کرلیجئے اور ظلمتوں سے جو جہنم میں لے جانے والی ہیں پناہ مانگئے۔ پندار، عجب، اطمینان بالدنیا ان سب سے پناہ مانگئے۔

ایک بات اور سمجھ میں آئی کہ ہم نے صحیح علم حاصل کرنے کے بعد اہتمام کے ساتھ ارادہ کرلیا رمضان شریف بہترین طریقے سے گذار کر اللہ کی رضا حاصل کرنے کا لیکن خدانخواستہ اگر ہم اپنی اس تجویز کے مطابق اُن کی رضا حاصل نہ کر سکے تو شکایت نہ کی جائے۔ نیت اور ارادہ کا اَجر تو بہر حال ملے گا۔ ہم نے تو چاہا تھا کہ اللہ میاں کو اس طرح راضی کرلیں، انھوں نے عنوان بدل دیا کہ ہم دوسری طرح راضی ہوں گے،

جب آپ نے دیکھا کہ خلاف ہو رہا ہے، بھول گئے کہ اللہ میاں نے اپنی رضا کا عنوان بدل دیا، شکایت کرنے لگے کہ ایک تراویح چھوٹ گئی، بڑا بے نصیب ہوں ایک روزے سے محروم ہوگیا۔ خبردار ایسی بات نہ کہنا۔ اگر وہ اپنی رضا کا عنوان بدل دیں تو پڑے رہو بیماری میں اپنے گھر پر۔ اللہ میاں یوں ہی راضی ہیں۔ اس میں بھی کوئی راز ہے اور راز جو ہے وہ رحمت کلی ہے۔ کارِ خیر سے بظاہر اگر محرومی ہو جائے تو شکایت نہ کرے۔ خوشی و غم، صحت و بیماری یہ تو زندگی کے مرکبات ہیں بس بُری چیز تو غفلت ہے جو عمداً کی جائے۔

عازمینِ حج کو ہدایات

یہ جمعرات ۱۹ راپریل ۶۲ء کا ملفوظ ہے۔ اس سال خود ڈاکٹر صاحب بھی حج کو تشریف لے جا رہے تھے اور مجلس میں آنے والے بہت سے حضرات عازمینِ حج جن میں بعض کا قرعہ میں نام آگیا تھا، بعض کا نہیں آیا تھا سب جمع تھے۔ حج، اس کی تمنا اور ارادے کے سلسلے میں محترمی ڈاکٹر صاحب نے یوں ارشاد فرمایا:۔

نیک ارادہ کر کے کبھی اسے ملتوی نہ کرنا چاہیئے خواہ آثار کیسے ہی مانع اور دشوار نہ ہوں۔ حج میں لاکھ موانعات سہی مگر جب ارادہ کرلیا تو جمے رہیئے کہ بھائی ہم تو جائیں گے۔ یہ کام اگرچہ ہمارے لئے دقت طلب ہے

مگر جن کے گھر جانے ہیں وہ تو قادر ہیں ۔ ہم محالات کو دیکھ کر کیوں اپنا ارادہ ملتوی کریں ۔ جہاں تک اپنے اختیار میں ہے، وہ تو کئے جائیں، ارادہ اور نیت تو کئے رہیں پھر انشاءاللہ ایک ایک لمحہ ثواب میں گزرے گا ۔ لاکھ راستے بند نظر آئیں مگر آپ اپنا کام کرتے رہیئے ۔ لگے رہیئے دُھن میں ؎

ملنے یا نہ ملنے کا وہ مختار آپ ہے
اپنی سعی یہ چاہیئے کہ تگ و دو لگی رہے

بڑی دولت ہے یہ تگ و دو ۔ دین کی خالصاً اتنی طلب سیکڑوں نعمتوں سے افضل ہے ۔ ہماری حقیقت کچھ بھی نہیں مگر ہمارے پاس یہ تگ و دو ایک عظیم شئے ہے ۔ بس یہ سمجھئے کہ حاصل زندگی ہے یہ تگ و دو ۔

ہمارے حضرتؒ کا مسلک کچھ ایسا ہے کہ مسلمان کے لئے کوئی مقام مایوسی کا نہیں ۔ فرمایا کرتے تھے کہ طلب مقصود ہے وصول مقصود نہیں جو جا رہے ہیں حج کو وہ بھی خوش نصیب، جو نہیں جا سکے وہ بھی خوش نصیب ارے کونین لئے بیٹھا ہے مسلمان صبر اور شکر میں ۔ کام ہوتا ہے ۔ شکر نہیں ہوتا ہے تو صبر، مومن کی زندگی کے تانے بانے ہیں صبر اور شکر روحِ رواں کی طرح ہیں ۔ ساری بندگی اسی میں ہے ۔

مسلمان کبھی بے مراد نہیں، وہ ہر حال میں بامراد ہے ۔ اور بیت اللہ جا کر بھی اللہ کی مراد اور رضا ہی طلب کرنے کی چیز ہے ۔ اور وہاں پر جو چیز لی جانے کی ہے وہ اخلاص و محبت ہے ۔ وہاں جذبۂ محبت ہی لے کر جائیے ۔ یہی

مانگئے اور یہی لے کر آیئے۔ طلب لے کر جایئے اور تشنگی لیکر آیئے۔ ؎

آرزوئے دیدِ جاناں بزم میں لائی مجھے
بزم سے ہیں آرزوئے دیدِ جاناں لے چلا

حضورؐ فرماتے ہیں کہ ہم سے محبت ہے تو ہماری چیز دل سے بھی محبت کرو۔ بیت اللہ یا مدینہ طیبہ کا موسم اگر ناساز گار ہو تو تذکرہ نہ کرے۔ گرمی اور مچھر وغیرہ سے اگر تکلیف پہونچے تو شکایت نہ کرے۔ وہاں محبت اور عظمت کے سوا کوئی چیز نہ لے جائے۔ دیارِ محبوب کی اذیتیں کس کی قسمت! محبّت میں یہ شکایت کیسی! بس یہی تعلق محبت کا دل بھر کے مانگئے اور اسی تعلق کے بقا کی اور اس کو صحیح مصرف پر صرف کرنے کی دعا کیجئے، عمر بھر کا سرمایہ ہے۔

ایسے بڑے دربار میں یہ بڑی شرافت ہے کہ اپنے دوست احباب، عزیز واقارب کے لیئے دعا کرے اور جن کے احسانات ہیں ان کو نہ بھولیے والدین جو محسن ہیں اپنے وجود کے ان کی طرف سے خیرات کرے اور دعا مانگے۔ اور بھائی جیسا ذوق ہو، جیسا تقاضا ہو اس پر عمل کرو وہی مانگو۔

ع   نالہ پابندِ نے نہیں ہے

اللہ تعالیٰ بقدرِ ظرف اپنی نوازشوں سے سب کو مشرف فرماتے ہیں اور پھر بے سوالی کی کیفیت طاری ہو جائے تو یہ بھی نعمت ہے ؎

بے زبانی ترجمانِ شوقِ بے حد ہو تو ہو
ورنہ پیشِ یار کام آتی ہیں تقریریں کہیں!

موجودہ ماحول اور ہمارے فرائض و دستور العمل

(۱)

ارشاد فرمایا کہ آج کل یہ عنوان میرے ذہن پر چھایا ہوا ہے کہ کیسی گندی فضاؤں میں ہم سانس لے رہے ہیں۔ بے حیائی بڑھتی چلی جارہی ہے۔ دیکھئے تو سوچنے کی بات ہے کہ ان تمام منکرات کو دیکھ کر ہماری غیرت اور حمیت کو جوش آتا ہے یا نہیں۔ اس کی طرف سے کیسی بےفکری ہے! نتیجہ کیا ہونے کو ہے، اس کا بالکل خیال نہیں۔ اگر آخرت کا خیال مستحضر ہو جائے تو کیا کوئی اطمینان سے بیٹھ سکتا ہے! پہلی آواز جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھائی وہ یہی ہے کہ بےفکری کو دور کردو، آخرت کا معاملہ بڑا سنگین ہے اور یہ معاملہ یقیناً ہونے والا ہے ــــ مگر ہمارا تعلق دین سے ضعیف ہوتا چلا جارہا ہے، دین کے چرچے نہیں، صحبتیں نہیں، جو آخرت کے امور جو ہمارے سامنے پیش کئے گئے ہیں ان سے بالکل غفلت ہے۔ آج جو منکرات اس سرزمین میں ہورہے ہیں ان سے ہماری بے حسی کا جائزہ لیا جارہا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ہم پر مجبوری کا اس قدر غلبہ ہوگیا ہے جیسے ہم ایک زبردست بوجھ میں دبے ہوئے ہیں۔ بے حیائیوں کی طرف صلائے عام ہے مگر ہم ساکت ہیں۔ تمام ماحول بگڑا ہوا ہے۔ عذاب سر سے اور ہم بے حس و حرکت ہیں۔ یہ بے حسی ہماری اور آپ کی خدانخواستہ کہیں رنگ نہ لے آئے۔ میری کمزور استعداد کے مطابق مجھے یہی معلوم

ہوتا ہے کہ یہ تو سب اچھے رہیں گے ہم پر الزام آئے گا۔ اپنی زندگی سے چند لمحاتِ فکر یہ نکال لو اور غور کرو کہ اب ہم کو کیا کرنا ہے:۔

جسمِ آزادی میں پھونکی تو نے مجبوری کی روح

خیر جو چاہا کیا — اب یہ بتا ہم کیا کریں

ہمارا کیا اختیار ہے ہم کو کرنا کیا چاہیے۔ کم از کم اپنی کمزوری خدا کے سامنے پیش تو کر دیں کہ اے اللہ ہماری جمعیت نہیں، ہم کمزور ہیں، ہماری غیب سے نصرت فرما۔ پناہ مانگنے کا وقت آگیا، خدا سے پناہ مانگو، پہلے کوئی ٹھکانہ تو مانگ لو، قبل اس کے کہ عذاب الٰہی ہم پر مسلط کر دیا جائے دعائیں تو مانگنا شروع کر دیں۔ اے اللہ ہمیں اس بغاوتوں کے ماحول سے اپنی پناہ عطا فرما۔ اے اللہ یہ ہماری بداعمالیوں کا وبال ہے۔ اے اللہ ہمیں پناہ دے۔

کبھی کبھی ہماری تنگ نظری کی وجہ سے یہ خیال ہوتا ہے کہ عالم میں کیا ہلاکت کا سامان ہو رہا ہے اور میں کیا دعا مانگ رہا ہوں لیکن بتانے والے نے بتایا ہے کہ خبردار کبھی مایوس نہ ہونا۔ دیکھو اللہ تعالیٰ کے اعلانات موجود ہیں، مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ کلام الٰہی بھرا ہوا ہے کہ ہم غفور الرحیم ہیں، آجاؤ توبہ استغفار کر لو۔ ہماری طرف رجوع ہو جاؤ۔ ہماری رحمت و قدرت متوجہ ہے بندوں کی طرف، پناہ مانگو پناہ ملے گی، حضرت دو چیزوں کے مل جانے سے چیزوں کی تاثیریں اور خاصیتیں بدل جاتی ہیں۔ رجوع الی اللہ سے توبہ استغفار سے اور پناہ مانگنے سے یہ گندہ ماحول پناہ مانگنے والوں کی ذات کے لیے نفع رساں ہو جائے گا۔ پھر انشاء اللہ

ہر رجوع ہونے والے شخص کو اس زمانے میں بھی حیات طیبہ نصیب ہو گی۔

امورِ آخرت کے مناظر بڑے کٹھن اور سنگین ہیں۔ آپ وہاں اتنے مجبور ہوں گے کہ کوئی تغیر پیدا نہیں کیا جا سکتا۔ ہولناک مناظر جو قرآن و حدیث میں آئے ہیں سب ہونے والے ہیں ان مناظر کو آج بدلنے کی قدرت دی گئی ہے، آج موقعہ ہے وہاں موقع نہ ملے گا۔ اگر چاہتے ہو آخرت کے امور سے پناہ حاصل ہو جائے تو آج مانگ لو۔ جب پناہ مانگنے سے آخرت کے عذاب سے پناہ مل سکتی ہے تو یہاں دنیا میں پناہ کیوں نہیں ملے گی۔ سو توبہ استغفار کو، اللہ کی طرف رجوع ہونے کو، پناہ مانگنے کو اور درود شریف کو اپنا مشغلہ بنا لو اور اس کے بعد حسبِ استطاعت صاحبِ قوت اپنی قوت سے، صاحبِ زبان اپنی تقریر سے اور صاحبِ قلم اپنی تحریر سے اس بے حیا ماحول کے مقابلہ میں اپنے اپنے دائرے میں حدود کے اندر رہ کر مسلمانوں کو غیرت اور حمیت دلائے۔ پھر انشاء اللہ اس گندے ماحول میں بھی آپ کو حیاتِ طیبہ ملے گی۔

(۲)

بڑے گندے ماحول میں ہم پرورش پا رہے ہیں، تمام معاشرہ بگڑا ہوا ہے۔ بے حیائی، بے شرمی، ناپاکی پھیلی ہوئی ہے۔ جا بجا فسق و فجور، ٹھمری، گانے اور فواحشات سے واسطہ پڑتا ہے۔ پہلے جن چیزوں کو معیوب سمجھتے تھے آج شیر و شکر کی طرح مستعمل ہیں۔ جو عورتیں گھر میں بیٹھی بیٹھی شرماتی تھیں آج وہ بازاروں میں نیم برہنہ پھر رہی ہیں، الغرض،

ہوائیں، فضائیں سب بگڑی ہوئی ہیں۔ سب کے اندر عذابِ الٰہی موجود ہے۔ پہلے ہواؤں سے اور طوفانوں سے عذاب آتے تھے آج اس طرح بھی عذاب آ رہے ہیں۔ یہ سب ہمارے ذنوب ہی تو ہیں جو چھائے ہوئے ہیں، یہ سب ہماری شامتِ اعمال ہے جو مختلف صورتوں میں عذاب بن کر سامنے آ رہی ہے۔

ع از ماست کہ بر ماست

سب آزاد ہیں جیسے چاہیں عمل کریں۔ دیکھنا یہ ہے کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ ہم ان بلاؤں سے کیسے بچیں، اس ہمہ گیر عذاب کا کیا علاج کریں؟ علاج تو ایک ہی ہے کہ ذاتِ باری کی طرف رجوع کریں، استغفار کریں، پناہ چاہیں اور مدد طلب کریں۔ خدا کی طرف رجوع ہونا اور ایاک نعبد و ایاک نستعین کہنا تو بندہ کی فطرت ہے۔ مگر بندے کہاں سے کہاں پہنچ گئے جس طاقت سے مرعوب ہوئے یا جس چیز سے فائدہ حاصل کیا اسی کے سامنے ایاک نعبد و ایاک نستعین کہہ دیا۔

آج کل کراچی میں چیچک پھیل رہی ہے اکثر محتاط لوگ انجکشن لگوا رہے ہیں اور مطمئن ہو جاتے ہیں کہ ہم نے چیچک کا ٹیکہ لگوا لیا۔ اللہ تعالےٰ نے استغفار میں بھی ایسی ہی قدرت رکھی ہے کہ جب ہم ان کی طرف رجوع کریں گے اور استغفار کریں گے تو ہمارے لئے ان فضاؤں کی تاثیر بدل جائے گی۔ یہ غذائیں اور ہوائیں استغفار کی بدولت مصفا ہو کر اور آبِ حیات بن کر ہمارے جسم میں داخل ہوں گی۔ مگر ہم لوگوں

کو صرف ہی معلوم نہیں استغفار کا۔ جیسے انجکشن رکھا ہوا ہے، دوا پھیلی ہوئی ہے مگر اس کا استعمال معلوم نہیں۔ صحبتِ اہل اللہ میں کوئی نئی بات نہیں ہوتی، سب اللہ اور رسول کی باتیں ہیں۔ ان کی صحبت میں چیزوں کے استعمال معلوم ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ طریقِ استعمال جانتے ہیں۔ پس ایسی گندی فضا میں رجوع کرنا اللہ کی طرف، پناہ چاہنا اور استغفار کرنا گویا انجکشن لے لینا ہے۔ غم، تکلیف اور ظلمت میں استغفار کی تاثیر عجیب ہے اور اعمالِ صالحہ میں استغفار روحِ رواں ہے۔

(۳)

ارشاد فرمایا پہلے بھی بے غیرت اور بے حیا لوگ تھے۔ مگر محدود تعداد میں لیکن یہاں پر تو فضاء کی فضاء ہی گندی ہو گئی۔ زندگی کی حلاوتیں اور برکتیں ختم ہو گئیں، اعتمادِ باہمی نہیں، سکونِ قلب نہیں۔ ہسپتالوں میں، عدالتوں میں، اسکول اور کالجوں میں زندگی کے ہر شعبہ میں ابتری ہی ابتری ہے۔ سب کے سب بدترین اخلاق لئے ہوئے ہیں الا ماشاء اللہ۔ نہ کسی کا بڑا پن ہے نہ کسی کا چھوٹا پن، دوست احباب کا معاملہ دیکھ لیجئے، عزیز و اقارب کو دیکھ لیجئے۔ بے اعتمادی اور بے اعتباری ہر طرف چھائی ہوئی ہے۔ کیسے ذرا سی دیر میں بدل گئے۔ زندگی کہاں جا رہی ہے، کیسے ختم ہو رہی ہے!

ع دیکھتی ہے آنکھ جو لب پہ آ سکتا نہیں

ہمارا کوئی سہارا معلوم نہیں ہوتا۔ ایک ذریعۂ معاش ذرا علیحدہ ہو جائے تو جان پر بن آتی ہے۔ کیسی بے سروسامانی کی زندگی ہے! آپ کیا مجبور ہیں واقعات خود آپ کو مجبور کر رہے ہیں، عجب پریشانی اور بدحواسی کا عالم ہے۔ ان گھبرائے ہوئے دلوں سے دعا بھی تو نہیں نکلتی:-

سہ آشفتہ خاطری وہ بلا ہے کہ شیفتہ
طاعت میں کچھ مزا ہے نہ لذت گناہ میں

طاعت کا شکوہ کرنے لگتے ہیں کہ لذت نہیں مگر مسلمان کے لئے تو گناہ میں بھی لذت نہیں۔ ہٹر ہوٹل میں ننگے ناچ کرنے والوں کو تو چھوڑیے، ان کے تو ہوش و حواس ہی درست نہیں۔ مگر بتلائیے تو سہی آپ کونسا کام لذت سے کر رہے ہیں! اور خیر آپ کی تو گذر رہی ہے جس طرح گذر رہی ہے۔ مگر آپ کی یہ نوخیز اور نوعمر نسلیں جو اسکول اور کالجوں میں، کنڈرگارٹن میں تعلیم و تربیت حاصل کر رہی ہیں، اس کا کیا ہونے والا ہے۔ روز بروز انحطاط ہوتا چلا جا رہا ہے۔ لاالہ الا اللہ ———— جو لمحہ گذر گیا وہ تو پھر آنے والا نہیں، تو کیا یہ گرانقدر اور بیش بہا زندگی اسی طرح گذرنے دی جائے گی؟ بہت سی باتیں بغیر سوچے سمجھ میں نہیں آتیں۔ اپنے لمحاتِ زندگی کو رائگاں کیوں کھو رہے ہو؟ کبھی تو جائزہ لیجئے زندگی کا۔ ارے سات دن میں ایک دن تو نکال لیجئے، سوچ تو

لیجئے، کچھ تو احساس پیدا ہو جائے ؎

احساسِ زندگی ہے نہ کچھ لطفِ زندگی
ہم کیا جئے کہ مائلِ خوابِ گراں رہے

آپ تو زندگی ایسے گذار رہے ہیں جیسے خواب میں ہوں، کبھی اچھے خواب دیکھ لئے کبھی ڈراؤنے دیکھ لئے۔ اس تاریک اور مکدر فضا کا کچھ تو تدارک کیجئے۔ ہلاک ہونے سے پہلے کچھ تو ہوش میں آجایئے۔ لاالہ الا اللہ کے اثرات ختم نہیں ہو گئے۔ یہ کلمہ تو قیامت تک کے لئے ہے۔ اللہ نے یہ دولت ہمیں دی ہے معلوم تو کریں کہ آخر یہ ہے کیا چیز؟ اس کلمہ نے کیسے کیسے مردہ دلوں میں جان ڈالدی۔ کیسے کیسے درندوں کو معیاری اور مثالی انسان بنا دیا۔ ہم کیسے احسان ناشناس ہیں، ہمیں تمغہ ملا ہوا ہے لاالہ الا اللہ کا، کتنے افسوس کی بات ہے اس سے بے خبری۔ یہ طرۂ امتیاز ہے ہمارے لئے، اسکی حقیقت کچھ تو معلوم کر لو۔ وہ کونسی چیز تھی جو آپ کے اسلاف کے پاس زائد تھی اور آپ کے پاس نہیں۔ اس کلمہ میں ساری کائنات ہے اور کائنات آپ کی، آپ نہ استعمال کریں یہ بات دوسری ہے۔ اسلاف کے پاس یہی چیز تھی، انھوں نے اس کے اثرات کو سمجھا، اسکے مصرف کو جانا جس کی بدولت کسی زمانہ میں ہر مسلمان مافوق الانسان نظر آتا تھا۔ دبدبہ، رعب، غلبہ، سلطنت، حکومت، سیاست، محبت، صداقت حیا شرم سب چیزیں اس میں موجود ہیں مگر ایمان کے

اجزاہی کو ہم نے منتشر کر دیا۔ ہم صورتاً مسلمان رہ گئے۔ وہ روح وہ طاقت وہ ENERGY (انرجی) نہیں رہی، اسی لئے دنیا قہر آلود نگاہوں سے دیکھتی ہے۔ مغلوب ہیں، ذلیل ہیں۔ وہ قومیں جنھوں نے صدیاں گذار دیں ہماری غلامی میں آج ہم پر غرا رہی ہیں اور ظلم و ستم کر رہی ہیں۔

مگر یاد رکھنے کی بات ہے کہ مسلمان انحطاط کی کسی منزل میں چلا گیا ہو، کیسی ہی تاریکیوں میں اور گندگیوں میں سانس لے رہا ہو۔ کیسے ہی حوادثات کا شکار ہو۔ کیسا ہی حقیر ذلیل بے مراد اور بے سرو سامان ہو مگر جب پلٹے گا پھر بامراد ہو جائے گا۔ جب اللہ کی طرف رجوع کرے گا پھر نکھر آئے گا۔ جب اپنے مالک کے دروازہ پر کھڑا ہو جائے گا پھر شیر ہو جائے گا۔ جب کبھی کھڑے ہو گئے تھے مالک کے دروازے پر کسی کی مجال نہیں تھی ہم سے آنکھ ملانے کی۔ اس پراگندہ اور بدحواس دنیا سے کٹ کر مالک کے دروازے پر آجانا چاہئے۔ انشا اللہ آج بھی قوت و طمانیت ملے گی۔ ان آشفتہ مزاجوں کے ماحول کے گندے اثرات سے بچ جانا چاہئے، آج بھی سکونِ قلب حاصل ہو گا۔

روشنی کے پاس تاریکی کی مجال نہیں کہ آسکے، قانونِ فطرت ہے اور ہر چیز کو نتھارنے کے لئے چند چیزیں موجود ہیں۔ کلام اللہ اور ذکر اللہ جس کے پاس موجود ہے نور ہی نور ہے۔ اس میں

پاک اور منور کرنے کی تاثیر موجود ہے ۔ اللّٰھُمَّ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا۔ (اے اللہ ہمارے لئے ہمارے نور کو کامل فرما) جب خود ہی تعلیم فرما رہے ہیں تو کیا عطا نہیں کریں گے؟ سب چیزیں موجود ہیں پاک ہونے کے لئے اگر کوئی نہیں چاہتا تو رہے برباد ۔ جب اپنی خطاکاریوں پر انفعال کی بھی توفیق نہیں تو رہئے برباد، مغضوب، ناپاک ۔ ارے دو منٹ کے لئے ندامت کے ساتھ اللہ کے سامنے کچھ کہہ تو لو۔ کیا مجال کہ تغیر نہ ہو ۔ اسلام کوئی فلسفہ نہیں، آپ عمل کر کے تو دیکھیں انشا اللہ کامیابیاں یہیں مشاہد ہوں گی ۔ ہر وقت (ایکشن) ACTION اور (ری ایکشن) REACTION کی (تھیوری) THEORY اس کے ساتھ ہے ۔ بس ندامت کے ساتھ اس دربار میں تمھارے آنے کی دیر ہے ۔

(۴۴)

آج اس عالم میں تاریکیاں اس قدر ہیں کہ الامان الحفیظ ۔ احساس مٹتا چلا جارہا ہے ۔ نیکی کی توفیق روز بروز سلب ہوتی چلی جارہی ہے ۔ تمام ماحول ناری، فضائیں ناری، غذائیں ناری، حسنات کے ہوتے ہوئے بھی ایک جھونکا آگ کا آسکتا ہے ۔ سوال یہ ہوتا ہے کہ اس مسموم فضا سے کہیں مفر ہے یا نہیں؟ آج اس دور میں حیات طیبہ نصیب ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اکل حلال اور صدق مقال کیا خواب کی باتیں ہیں؟ کیا اس دور میں بحیثیت مسلمان کے ہم زندہ رہ سکتے

ہیں ؟ یقیناً رہ سکتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے تو قیامت تک کی تمام آنے والی نسلوں کو مخاطب کیا ہے کہ طیب رہو، پاکیزہ غذائیں کھاؤ۔ صرف غفور رحیم کہہ دینے سے تو کام نہ چلے گا۔ جتنے کے مکلّف ہیں اس سے تو ضرور باز پرس ہوگی۔

ان تاریکیوں میں ہمارے ذمہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ سے نورِ کامل طلب کریں۔ اللہ تعالےٰ خود نور کی طرف ہم کو بلا رہے ہیں تو کیا مانگنے پر عطا نہ کریں گے۔ اور جس کے پاس کلمۂ توحید ہے، کلام اللہ ہے، شریعت کا اتباع اور استغفار ہے اس کے پاس نور ہی نور ہے۔ جہاں نور ہوگا وہاں ظلمتیں داخل نہیں ہو سکتیں۔ تاریک کمرہ کی فضا ایک دیا سلائی سے روشن ہو جاتی ہے۔ حسنات کے ساتھ نور بھی طلب کرو ورنہ ان ظلمتوں کا مقابلہ کس طرح کرو گے پھر یہ تمام تاریکیاں تم تک آتے آتے روشن ہو جائیں گے ؎

صبا آتی ہے کس کے کوچۂ گیسو سے ہو کر
پریشاں، بدحواس، آشفتہ لیکن مشکبو ہو کر

تمیز پیدا ہوگی، عرفان حاصل ہوگا اور جب تک یہ روشنی موجود ہے قیامت کی تاریکی نہیں آسکتی۔

ظاہر بیں غیر قوموں کی ترقیوں کی طرف دیکھتا ہے کہ تمام عیش و عشرت، راحت و فراغت کفار کے لئے ہے۔ مسلمان جہاں دیکھو پریشان، مصائب و آلام میں گرفتار۔ مگر درحقیقت یہ کفار تو انسان ہی

نہیں، ان گندے لوگوں کی طرف دیکھو کیوں ہو۔ دیکھنا یہ ہے کہ اصل مقصود کیا ہے؟ زندگی کیوں عطا کی گئی؟ زندگی عطا کی گئی ہے بندگی کے لئے۔ مقصدِ زندگی بندگی ہے اللہ رب العزت کی۔ بس جو اس بندگی میں مصروف ہیں وہی انسان ہیں۔ باقی جانور ہیں بلکہ اس سے بھی بدتر۔ یہ قرآنی فیصلہ ہے۔ اس عالمِ کائنات میں ہم ہی ہیں جو کچھ ہیں ایک جگہ صبر کر رہے ہیں ایک جگہ شکر، اور جس روز ہم نہ ہوں گے قیامت گزر جائے گی۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب تک کوئی اللہ اللہ کہنے والا اس دنیا میں موجود ہوگا قیامت نہ آئے گی۔ اللہ اللہ! کیا کچھ طاقت موجود ہے اس کلمہ میں!! یہ عالمِ کائنات تھما ہوا ہے ذکر اللہ کی بدولت، اور اس فضا میں اللہ اللہ کہنے والے ہم ہی تو ہیں۔ تو کفار تو معرضِ گفتگو ہی میں نہیں آتے۔ یہ صورتاً انسان ہیں، ان کے خصائل جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔

ایک مرتبہ ہمارے حضرتؒ سے کسی نے (گلیڈسٹون) GLASTONE کا تذکرہ کیا کہ حضرت بڑا عقلمند ہے سات دفعہ وزیر ہوا۔ حضرتؒ نے فرمایا بالکل جاہل ہے، اتنی بھی عقل نہیں رکھتا کہ انجام کیا ہونے والا ہے۔ جس نے اپنے مالک کو نہ پہچانا، زندگی کے مقصد کو نہ سمجھا، نیک و بد میں تمیز نہ کی، آنے والے عظیم مستقبل کا احساس نہ پیدا کیا وہ کوئی عقل ہے! ہر جانور کو اللہ تعالیٰ نے ایک فہم عطا کیا کہ اس طرح زندگی بسر کرو، اس طرح رہو، اس طرح اپنا

بچاؤ کرو - چالاکی کو یا ایجادات کو عقل سے کیا تعلق -

کفار تو پیدا ہی کئے گئے ہیں جہنم کے لئے - مثالیں دنیا میں موجود ہیں، بہت سے درخت رد کے جاتے ہیں بلکہ لگائے جاتے ہیں. کوئلہ بنانے کے لئے - کفار کو بھی اسی طرح سمجھ لو کہ مصلحت کو پیدا کئے گئے ہیں اور دوزخ کو بھی اسی طرح سمجھ لو کہ حکمت کو بنایا گیا ہے - اس میں وہی لوگ جائیں گے جو اس کے لئے بنائے گئے ہیں یعنی کفار اور یہ تکوینی امور ہیں اور اللہ حکیم ہیں اور ہر چیز پر قادر ہیں۔

گفتگو تو اپنے لئے کرنی ہے کہ ہم ظلمتوں سے کیسے نکلیں - یہ دنیا تمام تر ظلمت کدہ ہے، مگر آپ نور طلب کریں - توحید کا نور آپ کے ساتھ ہو اور تکرارِ ذکر سے، توبہ استغفار سے تجدید کرتے رہیں - اے اللہ! یہ آپ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگی ہوئی دعائیں ہیں، تاریکیوں کا وقت ہے ہم کو نورِ کامل عطا فرما - نور کے ہوتے ہوئے تاریکیاں آپ کے پاس نہ آئیں گی -

آج ایمان کی حفاظت بغیر پناہ میں آئے ممکن نہیں - جتنے فتنے ہیں سب سے اللہ کی پناہ چاہے - تمام گناہوں سے، ان کے اثرات سے پناہ طلب کرے - استغفر اللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ اس میں نہ صرف یہ کہ اپنے گناہوں سے بلکہ جتنے بھی گناہ فضا میں چھائے ہوئے ہیں سب سے استغفار کرے، پناہ چاہے اور اللہ کی طرف رجوع ہو -

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پاکیزہ اور طیب غذائیں کہاں سے کھائیں۔ ہم کو حکم دیا گیا ہے پاکی کا کہ پاک رہو اور طیب غذائیں کھاؤ۔ سو یہ چیز بھی اللہ ہی سے طلب کرو انشااللہ طلب کرنے پر جتنی پاک چیزیں ہیں غذاؤں میں وہی ہمارے پاس آئیں گی۔ ظاہر بیں کہتا ہے کہ یہ گندی غذائیں پاک اور منوّر کیسے ہو جائیں گی؟ قلبِ ماہیت کیسے ہو سکتا ہے؟ مگر پاک کرنے والی چیز تو اللہ کا حکم اور اس کی قدرت ہے۔ اللہ تعالےٰ کلام پاک میں اپنی قدرت کی طرف متوجہ فرماتے ہیں کہ دیکھو گوبر اور خون کے درمیان میں سے ہم تمھارے لئے پاکیزہ اور لطیف دودھ مہیا کرتے ہیں۔ جو شخص پاکی کا طلب گار ہے اس کو ضرور پاکی ملے گی۔ تم حکم کا اتباع کرو اور اس ناپاک ماحول میں توبہ استغفار کرو۔ خود ہمارا وجود کس چیز سے اللہ تعالےٰ نے پیدا فرما دیا؟ اللہ کی قدرت سے کچھ بعید ہے؟ پھر ذنوب تمام تر ناپاکیاں ہیں اور اللہ تعالےٰ کا اعلان موجود ہے کہ اے میرے بندو! جنھوں نے بے عنوانیوں سے اور ذنوب سے حتیٰ کہ کفر و شرک سے اپنے اوپر ظلم کر لیا ہے ناامید مت ہونا، پاک کرنے والے ہم ہیں۔ تم پچتاؤ اور آجاؤ ہم سب پاک کر دیں گے۔ مخاطب وہ ہیں جنھوں نے بندگی کی طرف رُخ کر لیا ہے بندے کیسے بھی ہو جائیں جب اللہ کی طرف رجوع کر لیں گے پاک ہو جائیں گے۔ تو پاک غذائیں بھی اسی سے مانگئے: اے اللہ! ہم

عاجز ہیں، ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد چاہتے ہیں ہمیں پاک غذائیں عطا فرما۔ حضورؐ دعا فرماتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ بارک لنا فی ما رزقتنا وقنا عذاب النار (اے اللہ جو کچھ آپ نے ہم کو عطا کیا ہے۔ اس میں ہمارے لئے برکت فرما اور ہم کو عذاب نار سے بچا) دسترخوان پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہاں (قنا عذاب النار) سے کیا مطلب ہے؟ مطلب یہی ہے کہ جس غذا کو ہم کھا رہے ہیں اس سے حاصل شدہ طاقت اسکے حکم کے خلاف صرف نہ کریں اور یہ بھی مطلب ہے کہ یا اللہ غذا میں جو گندگیاں، آمیزشیں اور ملاوٹیں ہیں ان سے ہم کو بچا لیجئے۔ جو گناہ اور عذاب اس میں شامل ہے اس سے ہم کو محفوظ کر لیجئے۔ اللہ کے نام کے ساتھ کوئی چیز مضرت نہیں پہنچا سکتی۔

(۵)

سارا مطالبہ پاکیزگی کا اور حساب و کتاب کا لا الٰہ الا اللہ کے بار اٹھانے والے سے ہے۔ اور جب کلمہ پڑھ لیا تو احکامِ الٰہی کے ہم مکلف ہو گئے اس طرح عالمِ امکان میں ہم فرد ہیں۔ اللہ اللہ! مسلمان کو چاہیئے کہ اپنا مرتبہ پہچانے۔ اس کا کوئی فعل رائگاں نہ ہونا چاہیئے، اس کو ایک بہت بڑی ابدالآباد سرحد میں داخل ہونا ہے۔ غیر مسلم اگر عیش کر رہے ہیں تو اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے سور گندگی کھاتا ہے اور خوب موٹا ہوتا ہے اور جانور تو اس سے فربہ نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح کافر کو یہ غفلت کی زندگی راس آگئی ہے آپ کو تو یہ موافق نہ آئے

گی ۔ وماخلقت الجنّ والانس الا لیعبدون ۔ (اور جن و انس کو میں نے صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے) جو اس فریضہ کو ادا کر رہے ہیں وہی انسان ہیں باقی تو قابلِ التفات ہی نہیں۔ ؎

بیکار ہیں سب قصّے کیوں انکی طرف دیکھو
ان سب کی حقیقت کیا تم اپنی طرف دیکھو

زندگی ان کی رضا میں گزر رہی ہے یا نہیں، اس کا جائزہ لو۔ مقصودِ کائنات صرف کلمہ گو ہے ۔ کفار تو بنائے ہی گئے ہیں جہنم کے لئے. اور تقدیر کے معاملات میں ہم کو حکم ہے کہ گفتگو مت کرو اور مت سوچو۔ لہٰذا اس حکم کی تعمیل سے یعنی نہ سوچنے ہی سے قرب حاصل ہوگا ۔

ع جیتئے بازی کو ہمت ہار کے

عقل بھی مخلوق ہے خالق کی تدبیروں کو کیا جانے اور کیا سمجھے ۔ تم کہاں جانے کا انتظام کر رہے ہو؟ وہاں پہنچ جاؤ سب معلوم ہو جائے گا۔ مختصر اتنی بات سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کی ایک شانِ جمالی ہے جو ازلی اور ابدی ہے اور ایک شانِ جلالی ہے جو ازلی اور ابدی ہے ۔ جنت مظہرِ شانِ جمالی ہے اور جہنم مظہرِ شانِ جلالی ہے بس مختصر سی بات ہے۔ ؎

حدیث مطرب و مے گو و رازِ دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمارا

اور آزمائشیں یہاں مسلمان کی اس وجہ سے اللہ بہاں کر رہے ہیں تاکہ ٹوٹ کر ہماری طرف آئیں ۔ ارے اقبال بڑی نادانی کی بات کہہ گیا کہ ۔ ع

برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

امتحان، آزمائشیں اور محنتیں تو اسی کے لئے ہیں جس کو ترقی دینا ہوتا ہے۔ مسلمان کو لا الہ الا اللہ کا حق ادا کرنا ہے۔ صبر اور شکر کے مقامات سے گذرنا ہے بقول خواجہ صاحب کے سے

درد یہ اور کو ملتا تو وہ مر ہی جاتا
نالہ کر کے بھی مجھے نازِ شکیبائی ہے

اور مسلمان پر جو کچھ مصائب ہیں وہ صورتاً مصائب ہیں حقیقت میں رحمت ہیں۔ تم توبہ استغفار کرتے رہو، نادم ہو جاؤ، فرمانبرداری کا طریق اختیار کر لو سب معاملے دنیا و آخرت کے درست ہو جائیں گے۔

بلفظ اندک و معنی بسیار

جلال و جمال:۔

دوزخ جلوہ گاہِ جلال ہے، ہر شخص دیکھے گا، کافر ہو یا مومن اور جنّت جلوہ گاہِ جمال ہے اس کو بھی ہر شخص دیکھے گا، مومن ہو یا کافر اپنے ٹھکانوں پر پہنچکر مومن شکر ادا کرے گا اور الحمد للہ رب العلمین کہے گا۔ اور کافر کی حسرت بڑھے گی اور مایوس ہو جائے گا۔

نسخہ کیمیا :-

فرمایا کہ میں نے ایک صاحب سے کہا تھا کہ میں تم کو ساری زندگی کا نچوڑ اور کیمیا کا نسخہ بتاتا ہوں کہ جہاں تک ہو سکے بزرگوں کی دعائیں لو، عمر کا ادب کرو اور ہر نعمتِ موجودہ پہ شکر ادا کرو۔

قبولیتِ دعا کی حقیقت :-

قبولِ دعا کے سلسلے میں فرمایا کہ اللہ میاں سے مانگنے والا کبھی نامراد نہیں ہوتا (لہٰذا) دعا ضرور مانگنی چاہیئے۔ پھر یا تو مقامِ شکر ہے یا مقامِ صبر۔ ایک میں ترقی کا وعدہ (لا زیدنکم۔ (ہم ضرور تمھارے لئے نعمتوں کا اضافہ کریں گے) دوسرے میں معیت کا اعلان : (اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْن) بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں) یہ بھی ان کی رضائے کاملہ وہ بھی رضائے کاملہ۔ مقصود بہر حال حاصل ہے اور ایسے موقعوں پر ہمارے حضرتؒ یہ شعر پڑھا کرتے تھے : ؎

بخت اگر مدد کند دامنش آدرم بکف
گر بکشد زہے نصیب ور بکشم زہے طرب

طاعت اور عدمِ طاعت کے نتائج :-

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اسلاف نے قانونِ اسلام کو تسلیم کر کے اور اس پر عمل پیرا ہو کر سارے عالم کو سرنگوں کیا

اور بادشاہت کی۔ تم اس کو چھوڑ کر اور ناقابلِ عمل کہہ کر غلام در غلام ہو گئے۔

تاثیرِ صحبت :-

اہل اللہ کی صحبت میں زاویۂ نگاہ درست ہوتا ہے۔ مصرفِ زندگی معلوم ہو جاتا ہے اور مقصود پر نظر پڑنے لگتی ہے۔

شرطِ "وصول" :-

ذوقِ نگاہِ یار جب تک بیدار نہ کیا جائے گا صرف نگاہِ یار سے کام نہ چلے گا۔ ؎

حیاتِ جاوداں اس کی نشاطِ بیکراں اس کا
جو دل لذت کشِ ذوقِ نگاہِ یار ہو جائے

ندامت کی خاصیت :-

ندامتِ قلبی عجیب چیز ہے۔ یہ مسلمان کو جہنم کے قابل نہیں چھوڑتی۔ جنت کا اہل اور دوزخ کا نااہل بنا دیتی ہے۔ حسنات کی تکمیل اس سے ہوتی ہے، گناہوں کو یہ نہیں چھوڑتی۔ اور یہ اختیاری چیز ہے جب چاہے بندہ نادم ہو جائے اور اصل ندامت، ندامتِ عقلی ہے اور اگر طبعی بھی ہو تو نور علیٰ نور۔

شکر کے آثار :-

شکر کرنے والا آدمی کبھی اتراتا نہیں۔ شکر کے اندر اخلاص اور صدق بھرا ہوا ہوتا ہے۔ جس چیز سے جس لمحہ راحت پہنچ جائے

شکر ادا کرے، اس سے عبادتوں میں حسن پیدا ہوگا اور زندگی حسین بن جائے گی۔

حقیقتِ علم :-

علم تو اصل میں وہی ہے جو عمل میں آکر زندگی میں "بہتر تغیر" پیدا کردے ورنہ اور بہت سی لذتیں ہیں۔

تہذیب کا مبحث :-

آج ایجادات میں تو ضرور ترقی ہوئی۔ لیکن ایجادات کا اطلاق تہذیب پر نہیں ہوسکتا۔ اگر موجودہ تہذیب کا تعلق انسان سے ہے تو یقیناً یہ تہذیب انسان کے لئے قابلِ ملامت اور لائقِ ماتم ہے۔

فراغتیں اور مصروفیتیں :-

دفتری اور کاروباری مشاغل پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ اکثر لوگ شکایت کرتے ہیں کہ فراغت نہیں، سکون نہیں، مصروفیتیں زیادہ ہوگئیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر فرصت و فراغت مل گئی تو کیا کرو گے؟ کبھی سوچا ہے؟؟ اگر فراغت کے لمحات کو بیجا صرف کرکے ضائع کردیا اور مزید گندگی میں جا گھسے تو اس سے بہتر تو یہی مصروفیتیں ہیں۔ جب یہ ہے تو لگے رہئے کام میں۔

دل کی موت :-

فرمایا کہ اہتمام نہ بن پڑے حسنات کا یہ اتنا مضر نہیں جتنا معصیت

کا احساس مٹ جانا - یہ تو قیامت ہے - اس سے زیادہ مہلک اور خطرناک کوئی چیز نہیں - اس میں یہاں تک ہو سکتا ہے کہ کفر ہو جائے اور پتہ بھی نہ چلے - اللہ بچائے بڑا سنگین معاملہ ہے - بس لرزاں ترساں ہی رہے - خطاکار شرمسار مسلمان کے لئے کچھ ڈر نہیں - ڈر تو عاصی طاغی اور باغی کے لئے ہے -

حقیقتِ بندگی :-

ہمارے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ دوسرے کی چیز کو اپنی سمجھنا انتہائی حماقت ہے - ہمارا کیا کمال ہے جو ہم دیکھ رہے ہیں یا پڑھ رہے ہیں - روشنی ان کی، بینائی ان کی، عقل ان کی، ہر چیز انھیں کی عطا ہے - بس ان چیزوں کا صحیح استعمال ہی بندگی ہے -

سرچشمۂ محبت :-

محبتِ الٰہی تو اہل اللہ کی صحبتوں میں سینوں کے اندر منتقل ہونے والی چیز ہے - اگر تنہائی میں حاصل کی جائے گی تو جنون ہو جائے گا محبت نہ ہوگی -

مصرفِ دل :-

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ لگانے بھی آئے ہو اور دل دینے بھی آئے ہو اور پھر اس کو اپنا بنانا چاہتے ہو! دل کو تو ان کی نظر کے قابل بنانا ہے اور انھوں نے اپنی نظر کا اعلان فرما دیا کہ

ہم ایسا دیکھنا چاہتے ہیں سہ

آرزوئیں خون ہوں یا حسرتیں پامال ہوں
اب تو اس دل کو بنانا ہے ترے قابل مجھے

مقصودِ سالک :-

فرمایا کہ مقصود کی دھن میں لگے رہنا چاہئے دھن بڑی چیز ہے۔ مگر انسان اپنی بے بصیرتی کی وجہ سے جلد مایوس ہو جاتا ہے۔ ارے کامیابی اور ناکامی تو ہماری نسبت سے ہے - من اللہ تو جو کچھ ہے عطائے کامل ہے۔ وہ اتمامِ نعمت کرتے ہیں کبھی کامیاب کرکے، کبھی ناکام رکھ کر، خوب کہا ہے:-

گر مرادت را مذاقِ شکر است ۔۔۔ بے مرادی نے مرادِ دلبر است

"دل بر" کی مراد کے ہم مورد بن گئے اور کیا چاہتے ہو! مقامِ شکر ہے مگر تم صبر کر جاؤ یہ بھی کچھ کم دولت نہیں۔ بس بڑی شرط لگے رہنا ہے :-

اندریں رہ می تراش و می خراش
تا دمِ آخر دمے فارغ مباش

کسی کے لئے ہمیشہ دعا کرنے کی ترکیب :-

دوست اور اعزا کے لئے ہمیشہ دعا کرتے رہنے کے سلسلہ میں فرمایا کہ جو چیز تمھیں اہم نظر آئے اسے اپنے پروگرام میں داخل کر لو۔ اس سے تقاضا پیدا ہونے لگتا ہے اور وقت پر وہ چیز یاد آجاتی ہے۔ پھر انشاءاللہ سہولت کے ساتھ دوام توفیق بھی ہوتی رہے گی۔

جاہ پسندی کی مذمت :-

ایک خاص سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ جاہ پسندی کچھ اچھی چیز نہیں، نکال ہی دیجئے اس خلش کو۔ اہلِ ثروت اور اہلِ دولت کے پاس بلا ضرورت جاکر خود کو کیوں ذلیل کرتے ہو۔ سکی ہو گی اور وہ تمہارا اثر بھی قبول نہ کریں گے۔ شیطان پاگل بنا دے گا اور مجرم بھی ہو جاؤ گے۔ دینی وقار قائم رکھنا چاہئے۔ یہ وقار کھویا جاتا ہے ان کے پاس جانے سے۔

طریقِ تحصیلِ محبت :-

محبتِ الٰہی دل میں کیسے پیدا ہو، کسی صاحب کے اس سوال پر جواب ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام جذبات ودیعت فرما کر انسان کو اس دنیا میں بھیجا ہے جو اپنے اپنے موقعوں پر ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ محبّتِ الٰہی بھی ایک جذبہ ہے مگر خوابیدہ یا بھٹکا ہوا۔ جب انگیز کرنے والی چیز سامنے آئے گی ابھر آئے گا۔ اور اس کو انگیز کرنے والی اور صحیح رُخ پر ڈالنے والی چیزیں صحبتِ اہلِ محبت، ان کے ملفوظات، ان کی زندگی کے حالات اور صحیح تعلیمات ہیں۔ پھر احسانات اور انعاماتِ الٰہیہ جب سامنے ہوں گے تو عشقِ الٰہی کیوں بیدار نہ ہو گا۔

صحبتِ اہل اللہ کی قدردانی :-

اہل اللہ کی صحبتوں میں یہ لمحات جو اللہ کی یاد میں گذرتے

ہاں، ہماری روح کی مسکراہٹیں ہیں۔ اس وقت کسی کی کوئی یاد نہیں آتی۔ تمام عالم تعلقات سے کٹ کر عالم امکان سے فارغ و بےخبر ہو کر ان کی یاد میں محو بیٹھے ہیں۔ یہ اللہ کی دین اور ان کی عطا ہے لاکھوں اور اربوں انسانوں میں چند لوگوں کو توفیق دیدی اپنی یاد کی کوئی معمولی بات نہیں اس کی قدر کرنی چاہیئے۔

غفلت کی حقیقت :-

لمحاتِ زندگی کو غیر ضروری اور لغو کام میں صرف کر دینا جو دین کے لیئے ضروری ہوں نہ دنیا کے لیئے یہ غفلت ہے۔ سوچیئے کہ یہ کام جو آپ کر رہے ہیں یہ ضروری ہے یا اس سے بھی زیادہ کوئی ضروری کام ہے ؟ کس کو مقدم کر رہے ہو اور کس کو مؤخر ؟ دس منٹ جو آپ نے کھو دئیے یہ کہاں ملیں گے ؟ کیوں کھو دیئے دس منٹ ؟ آؤ بیٹھو اللہ والوں کی صحبت میں تب پتہ چلے گا کون سے کام ضروری ہیں اور کون سے غیر ضروری۔

بندہ کا دستور العمل :-

فرمایا کہ صورتِ عبادت بن پڑ سکی اس پر شکر ادا کرے اور حقیقتِ عبادت حاصل نہیں ہوئی اس پر ندامت کے ساتھ استغفار کرے۔ بندہ کے لئے عمر بھر کا دستور العمل ہے ساری عمر اس سے چھٹکارا نہیں۔ ارشاد ہے واعبد ربک حتی یاتیک الیقین

ترجمہ :- اور اپنے پروردگار کی عبادت کر یہاں تک کہ تجھے موت آجائے۔

قلبِ سالک :-

فرمایا کہ سالک کے قلب کی مثال ایک مضبوط اور محفوظ جہاز کے مانند ہے۔ ہزاروں طوفان اُٹھیں، بلائیں آئیں جہاز اپنی اسی اسٹیم کے ساتھ، کپتان کی ہدایت پر قطب نما کی رہنمائی میں بلا خوف و خطر چلتا رہتا ہے۔ کیا جہاز کے اندر طلاطم کا ایک قطرہ بھی آتا ہے؟ ہمارے قبلہ نما حضور صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں، آپ کا دامن اور آپ کا بتلایا ہوا راستہ ہے۔ فرما رہے ہیں کہ ہر حالت میں ہماری طرف رُخ کئے رکھنا۔ کلمۂ توحید کی کثرت اور اس کا حق ادا کرتے رہنا۔ ساری رفتار اس کی اسٹیم پر منحصر ہے۔ کوئی نووارد کوتاہ بین چیختا ہے کہ جہاز اب ڈوبا، طوفان بڑا تلاطم خیز، تلاطم انگیز ہے۔ کپتان ہمارے حضرتؒ ہیں ان کے ہاتھ میں قطب نما ہے، اعلان فرما رہے ہیں، چلتے رہو، پرواہ مت کرو، طوفان کی طرف مت دیکھو اور کہیں عافیت نہیں، قطب نما کی سوئی بتلا رہی ہے کہ ہم ٹھیک راستہ پر ہیں — پھر فرمایا کہ الحمدللہ اس حلقہ والوں کو طوفان کے تھپیڑے نہیں لگیں گے۔ اور قسم کھا کر کہا جا سکتا ہے کہ ہم صحیح راستے پر ہیں۔

حضرت والا کا علماء کو ایک مشورہ :-

ایک خاص سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ علماء کو ہمارے حضرتؒ آخر تک فرماتے رہے کہ مت جاؤ کانگریس میں، مت جاؤ سیاست میں،

دینی وقار کو صدمہ پہنچے گا۔ اسلام کو کسی سیاست کی ضرورت نہیں اس کو تو اتباعِ رسالت کی ضرورت ہے۔ تم اہلِ حکومت کو مت چھیڑو، نہ شریک ہو نہ مشیر، اغراضِ نفسانیت جہاں کارفرما ہوں، وہاں تم کیا سمجھا سکو گے کسی کو۔

ہر شخص کا منصب جدا، مشاغل جدا، کاروبار جدا۔ یہ تقسیمِ کار ہے۔ آپ کیوں دوسرے کے دائرے میں قدم رکھ رہے ہیں۔ آپ تبلیغ کے مکلف بنائے گئے ہیں یہی بہت وسیع میدان ہے۔ اس میں اپنے جوہر دکھائیے۔ اس کی خاصیت ہے کہ جہاں تک بڑھتے جاؤ گے غالب آتے جاؤ گے۔

حضرت والاؒ کے "زمانۂ تحریکات" کے ملفوظات پڑھنے کے قابل ہیں۔ اچھا ہے یہ ایک جگہ جمع ہو جائیں مگر ہر کام کا ایک وقت ہے۔ کوئی تاریخ کا طالب علم اس طرف توجہ کرے تو معلوم ہو کہ کیسے کیسے عقدے ہمارے حضرتؒ نے حل کئے ہیں ؎

وہ کبھی جب اِدھر سے گذرے ہیں کتنے عالم نظر سے گذرے ہیں

تجدیدِ نظر:-

دنیا سے منہ موڑ لینا کوئی کمال کی بات نہیں، دین کی طرف متوجہ ہو جانا بڑی بات ہے۔ اور ہم کہتے ہیں کہ دین اختیار کرنے میں کون سی لذتیں چھوٹ جائیں گی؟ کونسا شعبۂ زندگی معطل ہو جائے گا؟ نقصان کیا ہے؟ اسلام تو دینِ فطرت ہے مسلمان

کی دنیا صرف زاویۂ نگاہ کی بدولت دنیا ہے۔ یہ درست ہو جائے پھر سب دین ہی دین ہے۔

مثلاً کسی کی آنکھوں میں نقص ہے، ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے، چشمہ لگا لیا۔ ہر چیز اپنی جگہ پر ٹھیک نظر آنے لگی۔ اب چیزیں تھوڑا ہی بدل گئیں، وہی ہیں۔ اسی طرح زاویۂ نگاہ درست ہو جانے کے بعد نفس بھی موجود اس کی خواہشات بھی موجود، چیزیں وہی لذتیں وہی، مگر اب ہر چیز اپنی اصلی حالت میں نظر آ رہی ہے، اور اپنے مصرف پر صرف ہو رہی ہے۔

یا مثلاً یہ بھی چائے ہے[1] اور (صحتِ نظر سے پہلے) وہ بھی چائے، پینے کا دستور وہی، طریقہ وہی۔ اب ایک محبت کرنے والا آیا۔ ہم نے بھی کچھ حق ادا کیا، یہی دین ہو گیا۔ زاویۂ نگاہ بدل جانے سے یہی عمل چائے پینے پلانے کا حسین ہو گیا۔ ہر عمل کو عبادت بنا لینا مسلمان ہی کا کام ہے۔

اکثر آپ لوگ سروس میں ہیں، کہیں مروت میں آ گئے، مرعوب ہو گئے، تقویٰ کے خلاف ہو گیا تو پھر توبہ کر لیجئے۔ صحتِ نظر کے بعد گناہ کو گناہ تو سمجھتے رہیں گے۔ بھئی کیا مشکل ہے یہ کام! زاویۂ نگاہ ہی تو بدل رہے ہیں آپ کا۔ کوئی ناپاک چیز آپ نے اٹھائی، ہم کہتے ہیں بھائی ہاتھ دھو لیجئے۔ یہی تو کہتے ہیں، اس میں کونسی برائی ہے اور کیا نقصان ہے؟

---

[1] اس وقت سب چائے پی رہے تھے اور ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ میں چائے کی پیالی تھی۔

دو دشمن :-

ہمارے حضرتؒ فرماتے تھے کہ شیطان بڑا "لیوریبین" ہے۔ فساد کی، عصیان و طغیان کی تجویزیں اور ترکیبیں بتاکر چل دیتا ہے، کوئی اس پر عمل کرے یا نہ کرے۔ یہ کسی ایک برائی پر اصرار نہیں کرتا۔ اور نفس برائی پر اصرار بھی کرتا ہے اور اپنی بڑائی کا خواہشمند رہتا ہے اور ہر وقت ساتھ ہے۔ اسی نفس نے شیطان کو بھی مارا ہے۔ اس لئے یہ زیادہ مہلک اور خطرناک ہے۔ اور بزرگوں نے اس کی اصلاح و تربیت کو اہمیت دی ہے۔

حدودُ اللہ :-

معاملات اور معاشرت کے بارے میں جگہ جگہ تلک حدود اللہ تلک حدود اللہ کلام پاک میں وارد ہوا ہے۔ جب تک صحیح تعلیمات نہ ہوں حدود کی حفاظت نہیں ہوسکتی اور تقویٰ کی حقیقت ہی ان حدود کی حفاظت ہے اور یہ حدود زندگی کے ہر شعبہ میں ہیں جو بڑی دلیل ہے اسلام کے کامل ہونے کی۔ نادان لوگ اوّل تو آتے نہیں دین کی طرف اور اگر آتے ہیں تو فرائض و واجبات ترک ہوتے رہتے ہیں اور ساری بزرگی اور تقویٰ نوافل میں رہ جاتا ہے، حقوق پامال ہوتے رہتے ہیں۔ اپنے تقویٰ سے ان لوگوں نے خود کو بھی ہلاک کر لیا اور دوسروں کو بھی پریشان کر کے رکھ دیا۔

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی ۔۔۔ تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

اس کی ایسی مثال ہے کہ مطالباتِ سرکاری تو ادا نہ ہوں اور ایک شخص سخاوت کرتا پھرے یا اپنا منصبی کام تو انجام نہ دے اور خدمتِ خلق میں مشغول رہے۔ کیا قیمت ان اعمال کی اگر حدود کی حفاظت نہ ہو اور فرائض و اجبات ادا نہ ہوں۔

ظاہر کی اہمیت :۔

دونوں قسم کے احکامات ظاہر و باطن کے اللہ تعالیٰ کے ہیں پھر ظاہر کے احکام کو نظر انداز کرنے کی یا کم اہم سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں۔ مثلاً آج آپ نے خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھی اور احسان کا درجہ نماز میں حاصل ہوا۔ نماز سے فراغت کے بعد معلوم ہوا کہ کپڑے ناپاک تھے تو اللہ اور رسول کا فیصلہ یہ ہے کہ نماز نہیں ہوئی اس کو دھراؤ۔ اب جو دھرائی تو نہ خشوع ہے نہ خضوع ہے اور نہ درجہ احسان کا کہیں پتہ۔ اب فیصلہ یہ ہے کہ نماز ہو گئی۔

انتخاب

حضرت عارفی مدظلہ کے چند متفرق غیر مطبوعہ

اشعار

سنہ ۱۹۳۶ء تا سنہ ۱۹۶۳ء

محبت خود محبت کا صلہ ہے عارفی لیکن
کوئی آسان ہے کیا بے نیازِ مدعا ہونا

ہجر کی شب یاد انکی دل کو بہلاتی رہی
لذتِ دردِ نہاں سے نیند سی آتی رہی

بے نیاز اپنی ہی ہستی سے اگر ہو جائے
دل کا عالم ہی باندازِ دگر ہو جائے
تنگ ہے شرحِ گدازِ غمِ پنہاں اے دل
آہ وہ آہ جو محتاجِ اثر ہو جائے

توڑنا توبہ کا سو بار بھی آسان تھا مگر
جامِ مے مجھ سے تو اک بار بھی توڑا نہ گیا

اب میری نگاہوں میں نہ دنیا ہے نہ دیں ہے
اے دوست محبت بھی عجب سحرِ مبیں ہے

حیات انگیز تھی جب اپنی ہر بات
کہاں سے لاؤں ہمدم اب وہ دن رات
زہے قسمت کسی کے آستاں پہ
وہ مری زندگی کے چند لمحات
محبت میں میری ناکامیِٔ دل
ہے میری آرزوؤں کی مکافات

دل کی ساری آرزوئیں ہو گئیں آتش بجاں
تو نے اے لطفِ نگاہِ دوست یہ کیا کر دیا
لذتِ سوزِ فغاں کی محویت نے عارفی
خود مرے ناموسِ ضبطِ غم کو رسوا کر دیا

ہے بقدرِ ہمت دل جادۂ ذوقِ طلب
بیٹھ جاؤں تھک کے جس جا ہے مری منزل وہی

دِل کو تپشِ شوق کی یہ لذتِ پیہم
مل تو گئی لیکن بڑی مشکل سے ملی ہے

بہت بدلا مذاقِ دل خیالِ یار نے لیکن
جو شایانِ مذاقِ یار تھا ایسا کہاں بدلا

جو کسی دل کے تکدر کا سبب ہو عارفی
کوئی ایسا داغ میرے قلبِ روشن میں نہیں

ہے عارفی اب یہ اثرِ ترکِ تمنا
آنے لگے وہ اور بھی کچھ حد سے سوا یاد

کیا چیز ہے یہ جلوہ گہہ حسنِ تصور
کیا کہئے نظر آتا ہے تا حدِ نظر کیا
شاید کہ اٹھا پردہ حریمِ رگِ جاں سے
یہ آج سرِ شام ہیں انوارِ سحر کیا

تجھ سے انجامِ گدازِ غم کی کیفیت نہ پوچھ
دل ابھی مدہوشِ کیفِ لذتِ آغاز ہے

مری ہر آہ - آہِ بے اثر ہے
دفورِ یاس! تیری بدگمانی

کیسی بہاریں - کیسا گلشن
ہاتھ میں ہے جب اُن کا دامن

دارفتہ

یہ کیا ستم ہے اے دلِ رفتہ وا حزیں
کنجِ قفس میں اور تصور بہار کا

خوب تھا خوابِ شبستانِ شباب
صبح ہوتے ہی قیامت ہو گئی
ہو گیا دل باریابِ بزمِ دوست
بند کی آنکھ اور خلوت ہو گئی

۱۹۲۵ء سے ۱۹۳۵ء

حسنِ بے پروا کو نازِ بے نیازی ہی سہی
مرے احساسِ محبت سے مگر غافل نہیں

آئی خزاں کی یاد تو دل سرد ہو گیا
کچھ دیر بھی تو لطف نہ آیا بہار کا

سکونِ اضطرابِ غم پہ چارہ ساز تو خوش ہیں
دلِ بیتاب کی لیکن قضا معلوم ہوتی ہے

کہیں سینہ نہ شق ہو جائے اسے ضبطِ دفورِ غم
نہیں آیا ہے لب پر نعرۂ مستانہ برسوں سے
کبھی بھولے سے بھی اب وہ کرم فرما نہیں ہوتے
ترستا ہے تجلّی کو مرا کاشانہ برسوں سے

ساقی اب دردِ تہِ جام کے ساغر ہی سہی
ہو چکے دور چھلکتے ہوئے پیمانوں کے

دیکھئے کیا رنگ لائے احتیاطِ ضبطِ غم — ڈر رہا ہوں میں سکونِ قلبِ مضطر دیکھ کر
عارفی یہ زندگی وہ ہے کہ جس میں عمر بھر — داغ دیتا ہے فلک بہتر سے بہتر دیکھ کر

کچھ لطفِ زندگی ہے نہ احساسِ زندگی — ہم کیا جئے کہ مائلِ خوابِ گراں رہے

خیالات
کوئی ڈوبا ہوا تھا کن مقالات پریشاں میں
سنانے
سنانے والا پیغامِ مبارکباد کیا جانے
مری خاموشیِ مجبور درد انگیز ہے شاید
یہ دل بہلائے ہوئے پھرتا ہے کیوں صیاد کیا جانے

۱۹۱۴ء ——— ۱۹۲۴ء

کیا عجب آ جائے پھر عہدِ نشاطِ زندگی — سر یہ یونہی گردشِ افلاک ہونا چاہیے

ایک ہی پھول تھا بس گلکدۂ حسن میں تو
چن لیا آنکھ میں اپنی ترے شیدائی نے

زندگی کی اب تو ہر تلخی مزا دینے لگی
عشق میں ناکامیٔ دل بھی مگر کیا چیز ہے

سبک خرام ہے کس درجہ اپنی عمرِ عزیز
نشانِ گردشِ کارواں نہیں ملتا
عجب مقام ہے اے عارفی مقامِ رضا
یہاں پہونچ کے پھر اپنا نشاں نہیں ملتا

کچھ لطف خموشی میں، نہ آہوں میں مزا ہے
بے کیفیٔ دل ان دنوں کچھ حد سے سوا ہے
بیخود کئے رہتی ہے تصور کی فضا میں
اپنی شبِ تنہائی کا عالم ہی جدا ہے
اک ربطِ محبت ہی کا احساس ہے دل میں
کچھ اور نہ احساسِ جفا ہے نہ وفا ہے
اے دوست میں کیا محویتِ دل کو چھپاؤں
جب حسنِ تصور ہی ترا ہوش ربا ہے
اے عارفی ہے راہِ محبت بھی عجب راہ
رہبر ہے جہاں کوئی نہ منزل کا پتہ ہے

لکھنؤ ۱۹۲۳ء

مرا دل یہ کہہ رہا ہے تپشِ گدازِ غم سے   انھیں بیقراریوں میں ہے کہیں قرار اپنا

دیکھ کر مرے دلِ پُر شوق کا جوشِ طلب
منزلِ مقصود خود ہی راہبر ہونے لگی

یہ ان کی یاد کا مگر اعجاز ہی تو ہے
جو قلبِ بیقرار میں آکر ٹھہر گئی
رہنے دے اب تلافیِ مافات کا خیال
اے دوست اب تو بات ہی حد سے گذر گئی

آج اپنی شامِ تنہائی کا ہے منظر جدا
جوشِ دردِ دل جدا ہے جوشِ چشمِ تر جدا
آگیا ہے دامنِ قاتل جو اپنے ہاتھ میں
سب کا اک محشر جدا ہے اپنا اک محشر جدا
کر دیا یہ کیا فسوں ساقیِ چشمِ مست نے
اب جو ہوتا ہی نہیں لب سے مرے ساغر جدا
میکشانِ چشمِ مستِ نازِ ساقی کے لئے
کیفِ ہر صہبا جدا ہے ذوقِ ہر ساغر جدا

علیگڑھ ۱۹۲۲ء

دامن کو ذرا اپنے بچائے ہوئے اے دل اُلجھے نہ کوئی خارِ گلستانِ تمنا

اشک باری میں نہ اب ہے خونفشانی میں وہ جوش
چشمِ محرمِ تماشا یاس سے لبریز ہے
دیکھنا ہے گر تجھے نیرنگِ فطرت کی بہار
دیکھ۔ اپنے دل کو یہ بھی ایک عالم خیز ہے

احترامِ جام و صہبا ہی نہ ہم سے نبھ سکا
کیا بتائیں اب کہ اتنے پارسا کیوں ہو گئے

جب آ گئے کبھی وہ تصور میں شامِ غم
آنکھوں میں اپنی جلوۂ صبحِ بہار تھا
آنکھوں سے میں نے بھر لیا سب دل میں عارفی
ساقی کی چشمِ مست میں جتنا خمار تھا

جتنی توقعات تھیں سب ختم ہو چکیں ہیں عارفی کسی سے بھی اب سرگراں نہیں

شان ہے تیری کریمی تجھے شایاں ہے کرم
میں گنہگار نہیں رحم کے قابل نہ سہی

اب مرے واسطے ہر موج ہے آغوشِ سکوں
بحرِ غم میں جو نہیں ہے کوئی ساحل نہ سہی

بڑھ رہی ہے کچھ اسی سے لذتِ احساسِ غم
اک خلش سی دل میں رہتی ہے کسی کی یاد کی
اک نہ اک دن ہو ہی جائے گی نگاہِ رحمِ دوست
میں نے ساری عمر اسی امید میں برباد کی

ذرا صیاد! گلشن اک نظر پھر دیکھ لینے دے
مجھے معلوم ہے کنجِ قفس سے اب رہا ہونا

عارفؔ بس یہ حقیقت ہے مرے اشعار کی
نالہائے دل جب آئے لب پہ موزوں ہو گئے

سرگشتگیٔ شوق کا اندازہ کیا اسے
صہبائے چشمِ ناز کبھی جس نے پی نہیں

رازِ نگہِ دوست کو افشا نہ کریں گے
ہم عقدۂ دل اپنا کبھی وا نہ کریں گے

کیسی بہاریں، کیسا گلشن ہاتھ میں ہے جب ان کا دامن
حسرتِ دید اس برقِ نظر کی ہوش میں آئے ہوش کے دشمن
عارفیؔ اب کیا غیر کا شکوہ
اپنا دل ہے اپنا دشمن

غلطنامہ کتاب افادات عارفیہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵	۳	تمدار	مدار
۲۱	۱۴	توحیدورسالت	توحید و رسالت
۲۱	۱۳	آپ بھی بزرگ ہیں	آپ ہی بزرگ ہیں
۳۵	۳	اوررسمی خانقاہیت	اوررسمی خانقاہیت کی
۳۰	۱۱	نفضل خاص مہ ہو	وصل خاص نہ ہو
۳۷	۱۲	الحمدمد	الحمدللہ
۴۰	۲	لامتناہی	لامتناہی
۴۷	۱۰	یحستون اصنعا	یحسنون صنعا
۵۸	۱۲	تعمیل حلم	تعمیل حکم
۶۵	۱۱	بتاتی	بتائی
۷۳	۱	اہتمام سے	اہتمام کے
۷۹	۱	زخم باطل	زعم باطل
۹۶	۱۹	جوچیزلی جانے کی	جوچیز لے جانے کی
۱۰۷	۱۳	کیسو	گیسو
۱۱۵	۲	بیدار	پیدا
۱۱۷	۱۵	فرمایا کہ لگانے	فرمایا کہ دل لگانے
۱۱۹	۴	تنگ	ننگ
۱۲۵	۴	فرائض واجبات	فرائض وواجبات
۱۳۱	۱۰	مقالات	خیالات
۱۳۱	۱۱	ہٹانے والا	ستانے والا